حضرت شیخ الہندؒ کی جماعت

مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ

و ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی کی ایک اہم تحریر!

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶-کے ماڈل ٹاؤن ــــ لاہور

PEPSI

MIRINDA

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۱ / ۲۳۹۳۱

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۳۴ | فروری ۱۹۸۵ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ | شمارہ ۲

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون

۳۰ روپے

قیمت فی شمارہ

۳ روپے

ناشر

ڈاکٹر اسرار احمد

طابع

چودھری رشید احمد

مطبع

مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی

فون : ۸۵۲۶۱۱

سب آفس : ۱۱ داؤد منزل

نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی

کراچی فون برائے رابطہ

۲۱۴۷۰۹

مشمولات

عرضِ احوال ———— ۳

جمیل الرحمٰن

حضرت شیخ الہندؒ کی جماعت — اور مسئلہ امامت و امارت ——— ۷

ڈاکٹر اسرار احمد

تحریکِ خلافت اور اس کے اثرات —— ۴۹

مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہ

الہدیٰ (اکیسویں نشست) ———— ۶۳

ڈاکٹر اسرار احمد

مسئلہ رجم (دوسری قسط) ——— ۷۱

مولانا سید حامد میاں مدظلہ

شامِ الہدیٰ لاہور ———— ۷۷

جمیل الرحمٰن

افکار و آراء ———— ۸۱

رفتارِ کار ———— ۸۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَ
اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

ان شاء اللہ العزیز و بفضلہٖ تعالیٰ و بعونہٖ

تنظیمِ اسلامی پاکستان

کا

دسواں سالانہ اجتماع

۲۳ تا ۲۸ مارچ ۸۵ء

قرآن اکیڈمی ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور میں منعقد ہوگا

رفقائے تنظیم اسلامی

شرکت کے لئے ابھی سے اہتمام شروع کردیں

ان شاء اللہ، انہی ایام میں

شش روزہ محاضراتِ قرآنی کا اہتمام ہو رہا ہے

تفصیلات میثاق کے آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں

☆☆

المعلن: (چوہدری) غلام محمد، قیم تنظیم اسلامی

شیخ جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

بفضلہٖ تعالیٰ و بعونہٖ جمادی الاوّل ۱۴۰۵ھ مطابق فروری ۱۹۸۵ء کا 'میثاق' پیشِ خدمت ہے ـــــ اس شمارے میں امیر تنظیم اسلامی، ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہٗ، کی ایک اہم اور مفصل تحریر بعنوان "دعوت رجوع الی القرآن، شیخ الہندؒ اور اُن کی جماعت اور مسئلۂ امامت و امارت" شامل ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے اس مضمون میں، جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، متعدد اہم اور نازک مسائل زیرِ بحث آئے ہیں۔ اس تحریر کا محرک دراصل، مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہٗ کے وہ فرمودات بنے جو گذشتہ میثاق میں 'ڈاکٹر اسرار احمد کی اپیل اور علماءِ دیوبند' کے عنوان سے شائع ہوئے تھے۔ ساتھ ہی مولانا منظور نعمانی مدظلہٗ العالی کی تالیف 'مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف' کا پہلا باب بھی شاملِ اشاعت کیا جا رہا ہے جس سے درحقیقت، محترم ڈاکٹر صاحب کی تحریر کے بعض حصّوں کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے ڈاکٹر صاحب کی تحریر چوں کہ طویل بھی ہے اور اس کی کتابت کے لیے ایک وقت درکار تھا۔ لیکن دوسری جانب اس کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ اسے تازہ شمارے میں جگہ دی جاتی لہٰذا میثاق کی طباعت میں اس بار پھر کچھ تاخیر ہو گئی ہے، جس کے لیے ادارہ معذرت خواہ ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب کا خطاب 'کیا ایرانی انقلاب ایک اسلامی انقلاب ہے' اس شمارے میں شاملِ نہیں کیا جا سکا۔ راقم کی علالت کے باعث یہ خطاب مکمل طور پر کیسٹ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل نہ ہو سکا تھا۔ جب کہ موضوع کا تقاضا تھا کہ یہ ایک ہی نشست میں مکمل مضمون کے طور پر قارئین کے مطالعہ میں آئے۔ مزید برآں

محترم خسروی صاحب (کراچی) کے مکتوب گرامی کو بھی، جو وسط نومبر میں ہمیں موصول ہوا تھا، بوجوہ روکنا پڑا۔ مناسب خیال کیا گیا کہ اس مراسلے کو امیر محترم کے خطاب کے ساتھ ہی شائع کیا جائے۔ توقع ہے کہ محترم خسروی صاحب نے اپنے مفصل مکتوب میں اہل تشیع کے بارے میں جو چند سوالات اٹھائے ہیں، ان کے جوابات انہیں محترم ڈاکٹر صاحب کے خطاب میں مل جائیں گے۔

محترم چوہدری غلام محمد صاحب، قیم تنظیم اسلامی، کی جانب سے تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کے انعقاد سے متعلق اعلان اسی شمارے میں رفقاء تنظیم کی نظر سے گزرے گا۔ موسمی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس سال اجتماع کے لیے اواخر مارچ کا تعین ہوا ہے۔ یوں تو ہر ادارے، ہر انجمن اور ہر جمعیت، خواہ وہ دینی مقصد کے لیے قائم ہو یا کاروباری اغراض اس کے پیش نظر ہوں، کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ہر سال فرد احتسابی کے عمل سے گزریں۔ اور یہ جائزہ لیں کہ سال بھر میں اپنے مقاصد کے اعتبار سے پیش رفت ہوئی ہے یا جمود اور تعطل ہے یا انحطاط و تنزل ہے! ایک اصولی و انقلابی جماعت یا تنظیم کے لیے یہ جائزہ کس قدر ضروری ہے! میرا حسن ظن ہے کہ اس کی اہمیت سے ہر رفیق آگاہ ہوگا۔ سالانہ اجتماع کا ایک اضافی فائدہ یہ ہے کہ ملک کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے رفقاء کو ایک جگہ جمع ہونے اور باہم دگر ملاقات کا موقع ملتا ہے۔ جس سے بلاشبہ، باہمی اخوت میں اضافہ اور ذہنی ہم آہنگی کے حصول میں مدد ملتی ہے۔ توقع ہے کہ جملہ رفقاء اس سالانہ اجتماع میں شرکت کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔

مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام سالانہ محاضرات قرآنی، جو ہر سال مارچ میں منعقد ہوتے ہیں، اس سال ۲۳ مارچ تا ۲۸ مارچ ہوں گے (انشاء اللہ)۔ گویا تنظیم کا سالانہ اجتماع اور انجمن کے زیر اہتمام محاضرات قرآنی ایک ہی وقت میں ہوں گے۔ پروگرام کچھ اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ سالانہ اجتماع کے اجلاس (SESSIONS) صبح کے اوقات میں اور محاضرات قرآنی کے سیشن شام کے اوقات میں ہوں گے۔ اس طرح بیرون لاہور سے آنے والے رفقاء تنظیم کو ان دونوں پروگراموں میں شرکت کا موقع مل سکے گا۔

حال ہی میں، یعنی ماہِ دسمبر ۸۴ء میں تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام ایک چالیس روزہ تربیتی پروگرام قرآن اکیڈیمی میں منعقد ہوا تھا[1] یہ پروگرام بحمداللہ بہت ہی مفید اور حوصلہ افزا رہا۔ اس کی اہم خصوصیت یہ تھی کہ امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ نے بحیثیت معلم و مربی اس میں بھرپور حصہ لیا۔ دعوتی و تحریکی موضوعات پر امیر تنظیم نے متعدد لیکچر دیئے اور اسی موضوع پر بعض اہم تالیفات کا اجتماعی مطالعہ بھی کرایا۔ ڈاکٹر صاحب کا لیکچر روزانہ شام کو قبل عشاء ہوتا تھا۔ جس میں بلیک بورڈ کی مدد سے ڈاکٹر صاحب ہر وضاحت طلب مسئلے کی بہت اچھے انداز میں شرح فرماتے تھے۔ اس تربیتی پروگرام میں تجوید قرآن اور عربی زبان کی ابتدائی تعلیم کا بھی خاطر خواہ انتظام کیا گیا تھا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ امتحانات کا بھی ایک باقاعدہ پروگرام ترتیب دیا گیا تھا تاکہ اس بات کا اندازہ کیا جا سکے کہ شرکاء نے اس تعلیم اور تربیت سے کس حد تک استفادہ کیا ہے۔

اب انشاءاللہ بیس بیس روز کے دو تربیتی پروگرام منعقد ہوں گے۔ ان میں سے پہلا پروگرام ۲ تا ۲۱ مارچ اور دوسرا ۳۰ مارچ تا ۱۸ اپریل منعقد ہوگا۔ گویا پہلا پروگرام سالانہ اجتماع سے متصلاً قبل اور دوسرا اس سے متصلاً بعد ہوگا۔ جن رفقاء کو اس سے قبل کسی تربیتی پروگرام میں شرکت کا موقع نہیں ملا ان کے لیے موقع ہے کہ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ اور بھرپور طور سے استفادہ کریں۔ اس تربیتی پروگرام کا اشتہار بھی اسی میثاق میں قارئین کی نظر سے گزرے گا۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ جن حضرات نے محض رضاءِ الٰہی کے حصول اور اپنے دینی فرائض کی انجام دہی کے لیے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی ہے، ان سب کی نصرت فرمائے اور ان کو خدمتِ دین کی زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ اور دین کے لیے ان کی سعی و جہد کو شرفِ قبول عطا فرمائے (آمین یارب العلمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

---

[1] قبل ازیں ماہ جولائی ۸۴ء میں بھی تنظیم اسلامی کے تحت ایک بیس روزہ قائمی تربیتی پروگرام منعقد ہو چکا ہے۔

اطلاع متعلقہ رفقائے تنظیم اسلامی بیرون پاکستان

تنظیم اسلامی کا بیرونی دفتر دعوت

کراچی سے لاہور منتقل ہو کر مرکزی دفتر ہی میں ضم ہو گیا ہے

لہٰذا آئندہ کل خط و کتابت ۳۶ - کے، ماڈل ٹاؤن لاہور ہی کے پتے پر کی جائے

المعلن: (چوہدری) غلام محمد، قیم تنظیم اسلامی

تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام

چالیس روزہ تربیت گاہ کے بحسن و خوبی انعقاد کے بعد

ان شاء اللہ العزیز

۲ر تا ۲۱ر مارچ اور ۳۰ر مارچ تا ۱۷ر اپریل ۸۵ء

دو بیس روزہ تربیتی پروگرام

قرآن اکیڈمی ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن میں منعقد ہوں گے

رفقائے تنظیم اسلامی و دیگر طالبانِ حقیقت حسب سہولت شرکت کا اہتمام کریں

جو حضرات شرکت کے متمنی ہوں وہ ۲۵ر فروری ۸۵ تک مطلع فرمائیں

المعلن: چوہدری غلام محمد —— قیم تنظیم اسلامی

دعوتِ رجوع الی القرآن

"حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت"

اور

"مسئلۂ امامت و امارت"

مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہٗ کے فرمودات پر چند گذارشات

از

اسرار احمد

مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہٗ مہتمم و شیخ التفسیر جامعہ رحیمیہ، مرکز حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، خواجہ میر درد روڈ، دہلی (بھارت) سے راقم الحروف کا تعارف کچھ اتنا پرانا نہیں، زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو برس کا ہے۔

اُن سے اوّلین تعارف اُن کی بیش بہا تالیف "محاسنِ مُوضح القرآن" اور اُس کے پاکستانی ناشر برادرم قاری سعید الرحمٰن علوی کی وساطت سے ہوا۔ اسی کی اساس پر راقم نے انہیں گذشتہ سال کے "محاضراتِ قرآنی" میں شرکت کی دعوت ارسال کر دی۔ اُن کا کرم کہ انہوں نے بلا پس و پیش اور بغیر تکلّف و تصنّع دعوت قبول فرمائی اور تشریف لے آئے۔

اس طرح متعدد بالمشافہ ملاقاتوں کا موقع بھی ملا۔ اور محاضرات کی متعدد نشستوں میں اُن کی کئی تقاریر بھی سننے میں آئیں۔ اُن کے علم و فضل کا اندازہ تو ظاہر ہے کہ کوئی

اُن سے اعلیٰ پایہ کا عالم و فاضل ہی لگا سکتا ہے، مجھ ایسے عامی و اُمّی شخص کے دل نے تو اُن کے جذبہ دخلوص، سادگی و اخلاص اور بالخصوص طبیعت کے تواضع اور مزاج کے اعتدال سے بہت اثر قبول کیا۔ اس طرح گویا فوراً ہی "دل را بہ دل رہیست!" والا معاملہ بن گیا۔

'محاضرات' کے ایک ہی ماہ بعد میرا بھارت جانا ہو گیا۔ اصل سفر تو حیدر آباد دکن کا تھا لیکن آتے جاتے دہلی میں بھی دو مرتبہ مختصر قیام رہا۔ اور دونوں ہی بار مولانا سے ملاقات ہوئی۔ مولانا کی محبت بھری دعوت پر ایک جمعہ میں جامع مسجد مدرسہ حسین بخش، جنلی قبر، میں جمعہ سے قبل خطاب کا موقع ملا۔ (جہاں اب مولانا جمعہ پڑھاتے ہیں، اور بھائی جمیل الرحمٰن صاحب سے معلوم ہوا کہ اسی مسجد میں ایک طویل عرصہ تک رئیس الواعظین سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلویؒ وعظ فرماتے رہے ہیں) اور اُن ہی کی وساطت سے قبرستانِ مہندیان اور جامعہ رحیمیہ میں بھی حاضری کا موقع ملا۔

راقم کو مولانا کی عمر کا صحیح اندازہ تو نہیں، البتہ گمانِ غالب ہے کہ لازماً ساٹھ سے متجاوز ہو گی لیکن اُن کی جواں ہمتی' کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اُس کے بعد سے اب تک اُن کے پاکستان کے دو مزید چکر لگ چکے ہیں جن سے بحمد اللہ ربط و تعلق کے مزید استوار ہونے میں بہت مدد ملی ——— جس کا ایک اہم مظہر قارئین 'میثاق' کے علم میں گذشتہ شمارے سے آچکا ہے، یعنی یہ کہ مولانا نے 'تنظیم اسلامی' کے 'حلقۂ مستشارین' میں شرکت قبول فرمائی۔ فجزاہ اللہ عنّی و عن جمیعِ رفقائی اَحسن الجزاء!

مولانا کی جو تحریر گذشتہ اشاعت میں "ڈاکٹر اسرار احمد کی اپیل اور علماء دیوبند" کے عنوان سے شائع ہوئی ہے اُس کے ضمن میں:

اوّلاً ——— تو راقم کو مولانا کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا ہے کہ انہوں نے راقم کا اس درجہ اعزاز و اکرام فرمایا کہ اُسے بھی برصغیر کی "دعوتِ رجوع الی القرآن" کے اُس "سِلسِلَۃُ الذّھب" میں منسلک کر دیا جس کا سرِ آغاز تو تھے امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور اُن کے جلیل القدر فرزند رحمہم اللہ ——— یعنی

کڑی کی حیثیت حاصل ہے حضرت شیخ الہندؒ کو — اور پھر اُن کی ذاتِ مجمع الصفات سے جو متعدد لڑیاں شروع ہوتیں اُن میں سے ایک[1] مشتمل ہے مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم و مغفور اور مولانا احمد علی لاہوریؒ پر، تو دوسری[2] میں شامل ہیں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم[3]!

اس ضمن میں مولانا کے شکریے کے ساتھ راقم یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگرچہ مولانا کی 'پسند' راقم کے لئے تازیست متاعِ بے بہا کا درجہ رکھے گی تاہم راقم نہ اس سے قبل اس زعم میں مبتلا تھا نہ ان شاءاللہ مولانا کے اس اِعزاز و اکرام سے اس مغالطے میں مبتلا ہوگا کہ راقم ان عظیم ہستیوں کا کسی بھی درجے میں ہم سر یا ہم پلہ ہے۔ اللہ گواہ ہے کہ راقم کا معاملہ ان حضرات کے ساتھ وہی ہے جو اس شعر میں بیان ہوا کہ ؎ اُحِبُّ الصالحین ولستُ منهم
لعل اللہ یرزقنی صلاحًا!

اس سلسلے میں راقم الحروف کے لئے مولانا نے جن جذبات و خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ اُن میں سے صدفی صد درست بات تو صرف یہ ہے کہ:

"ڈاکٹر صاحب کو نہ عالم ہونے کا دعوےٰ ہے اور نہ فقیہہ و متکلم اور شیخِ طریقت ہونے کا ادّعا"

مندرجہ ذیل باتیں بھی بحمداللہ بہت حد تک واقعیت پر مبنی ہیں:۔

"ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے دینِ برحق کے غلبہ اور اقامت کے لئے قرآن کریم کی اصولی دعوت کا مشن اختیار کیا ہے ..... اور وہ اس تحریک میں اپنا تن من دھن سب کچھ لگا چکے ہیں ..."

البتہ یہ الفاظ ہمت افزائی کے جذبہ کی بنا پر مبالغہ کی صورت اختیار کر گئے ہیں کہ:

"ڈاکٹر صاحب جدید تعلیم یافتہ آدمی ہیں اور موصوف نے قرآن کریم کا گہرا

---

[1] مولانا مودودی مرحوم کے ضمن میں "علماء دیوبند کے فیض یافتہ عالم" کے جو الفاظ مولانا نے استعمال فرمائے ہیں، وہ بہت معنی خیز ہیں! — اسی طرح مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا ذکر اگر سہواً چھوٹ گیا ہے تو خیر — لیکن اگر جان بوجھ کر ہے تو یہ بھی ایک اہم معاملہ ہے! بہرحال ان دونوں باتوں کے ضمن میں ان شاءاللہ راقم آئندہ کچھ عرض کرے گا!

مطالعہ کیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ خدا تعالیٰ نے موصوف کو اپنے مقدس کلام کا بڑا
اچھا فہم عطا فرمایا ہے اور اس کلام عظیم کے اصولی پیغام کو جدید استدلالی
اسلوب میں پیش کرنے کی صلاحیت سے نوازا ہے"

بہرحال راقم اس ہمت افزائی پر مولانا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ
سے دُعا کرتا ہے کہ وہ اپنے کمالِ فضل و کرم سے اُسے فی الواقع ان الفاظ کا مصداق
بنا دے ۔ وما ذالك علیہ بعزیز!

مسالک فقہیہ کے ضمن میں راقم کی تقریر مطبوعہ 'میثاق' ستمبر ۸۴ء میں
تقلید اور عدم تقلید یا اجتہادِ مطلق کے مابین 'نیم تقلید' کا جو تصور سامنے آیا تھا اُس
پر ابتداءً مولانا بھی بہت برہم تھے، لیکن جب راقم نے ان کے سامنے اپنی وہ وضاحت
پیش کی جو 'میثاق' کے دسمبر کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے (مولانا کی دہلی واپس
روانگی تک پرچہ طبع نہ ہوا تھا لیکن راقم نے ان کی خدمت میں کچھ کتابت شدہ
صفحات کی فوٹوسٹیٹ نقل اور کچھ اصل مسودہ پیش کر دیا تھا!) تو انہوں نے اطمینان
کا اظہار فرمایا۔

مولانا کی برہمی کے آثار اُن کی زیرِ تبصرہ تحریر میں بھی موجود ہیں:

"ڈاکٹر صاحب نے دعوتِ قرآنی اور اقامتِ حق کی دعوت سے فقہی اختلافات
کو دُور رکھا ہے ۔ وہ اہلِ علم کو فقہی اور اجتہادی مسائل میں وسعتِ فکر و
نظر کی دعوت ضرور دیتے ہیں اور معتدل راستہ اختیار کرنے کی اپیل کرتے ہیں
جو آج کے حالات کا شدید تقاضا ہے ۔ لیکن عوام کو وہ یہی مشورہ دیتے ہیں
کہ اتباعِ سُنّت کی نیت سے اُن کے لئے عافیت اسی میں ہے کہ وہ
ایک فقہ کی پیروی کریں ۔

لیکن ایک تقریر میں ڈاکٹر صاحب نے ضمناً اجتہادی اور فقہی بحث
میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور اپنے فقہی مسلک کے
بارے میں اپنے لئے 'نیم مقلد' کی تعبیر اختیار کی اور مستقبل کے لئے یہ
آرزو ظاہر کی کہ فقہی اختلافات میں اتحادِ عمل کی کوئی سبیل نکل آئے۔

میں ے خیال میں ڈاکٹر صاحب کو سہو ہوا —
موصوف جس احتیاط کے ساتھ کام کر رہے ہیں وہ
احتیاط اس تفسیر میں قائم نہ رہ سکی !"

تاہم راقم کی توضیحات ملاحظہ فرمانے کے بعد مولانا نے جس فراخدلی کیساتھ تسلیم فرمایا کہ :

"ڈاکٹر صاحب موصوف نے میثاق نومبر (مراد ہے دسمبر) کے پرچے میں اس غلط فہمی کو دور کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ علماءِ حق کو مطمئن کرنے کے لئے کافی ہے . . . . اس کا تقاضا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے فقہی موقف کی حوصلہ افزائی کی جائے !"

اُس سے جہاں اُن کے وسعتِ ظرف کا اندازہ ہوتا ہے وہاں یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ ع "گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دلِ وجود !" کے مصداق ان کی نگاہ جزوی اور فروعی مسائل میں الجھ کر رہ جانے کی بجائے دین وملت کے اصل مسئلہ پر مرکوز ہے ! فللہ الحمد !

"فقہی اختلافات میں توسّع" کے ضمن میں مولانا نے شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا جو ذکر فرمایا ہے وہ اپنی جگہ پر ، راقم کے لئے خصوصی دلچسپی کا باعث ہے حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کا حوالہ ہے کہ

"حضرت مجدد صاحبؒ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں : "باوجودِ التزامِ ایں مذہب مرا ، با امام شافعیؒ گویا محبتِ ذاتی است و بزرگ مے دانم لہٰذا در بعض اعمالِ نافلہ تقلید مذہبِ او می نمایم" (مکتوب ۵۵ ، دفتر دوم) یعنی "باوجود اس کے کہ میں حنفی مسلک کی پابندی کرتا ہوں مجھے امام شافعیؒ سے ذاتی محبت ہے اور میں انہیں بزرگ مانتا ہوں اور اسی لئے بعض (نفلی) عبادات میں ان کے مسلک کی پیروی کرتا ہوں "

"صاحب اتحاف نے لکھا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور حضرت مجدد صاحبؒ کے درمیان اختلاف کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ محدث صاحب

کو فقہی مذہب میں بے حد تشدد تھا اور مجدد صاحب مطلق اتباعِ سنت اور بدعات کی تردید پر زور دیتے تھے (ص ۱۶۲)"

مولانا قاسمی مدظلہٗ کی تحریر کا اہم ترین حصہ وہ ہے جو "حضرت شیخ الہندؒ کی جماعت" اور "مسئلہ امامت و امارت" سے متعلق ہے۔ ان مسائل کے ضمن میں بھی مولانا کے انداز میں ایک محبت آمیز برہمی نمایاں ہے۔ اور فی الوقت راقم الحروف نے اسی مسئلے پر اظہار خیال کے لئے قلم اٹھایا ہے۔

اس ضمن میں مولانا کی ناراضگی کی اصل بنیاد تو وہی "ضمیمہ" والا لفظ ہے۔ جس کے بارے میں ضروری وضاحت گذشتہ شمارے میں پیش کی جا چکی ہے بالمشافہ ملاقات میں مولانا کا انداز تحریر کے مقابلے میں کہیں زیادہ غضبناک تھا لیکن الحمدللہ کہ جب راقم نے اپنی وہ گذارشات زبانی پیش کیں جو گذشتہ ماہ کے "تذکرہ و تبصرہ" میں درج ہو چکی ہیں تو مولانا نے اطمینان کا اظہار فرمایا اور یہ ہدایت فرمائی کہ اسے "میثاق" میں شائع کر دیا جائے ـــــ اس طرح ایک خاص لفظ کی حد تک تو معاملہ ختم ہو گیا البتہ اس تحریر میں شامل متعدد باتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں راقم اپنے خیالات وضاحت کے ساتھ پیش کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ اگر وہ درست ہوں تو مولانا اور دوسرے اصحابِ علم و فضل ان کی تائید فرمائیں ورنہ میری اصلاح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

اس ضمن میں سب سے پہلے راقم مولانا کی تحریر کے اس حصے کے اوّل و آخر کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہے جو اس موضوع سے متعلق ہے۔ مولانا نے ابتداء ان الفاظ سے فرمائی ہے:-

"البتہ اس بحث کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحب نے ایک دوسرے بڑے جھگڑے کو چھیڑ دیا ہے اور امامت و امارت کا مسئلہ کھڑا کر دیا ہے اور ساتھ ہی اس کا جوڑ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی امارت کے بارے میں حضرت شیخ الہندؒ کی تجویز سے لگا دیا ہے۔ گویا ڈاکٹر صاحب نے بھڑوں

کے چھتے کو چھیڑ دیا ہے!"

اور اختتام ان الفاظ پر فرمایا:-

"مجھے اُمید ہے کہ جس طرح ڈاکٹر صاحب نے تقلید کے مسئلہ کی وضاحت کر کے علماء کرام کو مطمئن کرنے کی سنجیدہ کوشش کی ہے اسی طرح موصوف امامت کے مسئلہ کو دین کی تحریک کے لئے بنیادی مسئلہ نہیں بنائیں گے!"

اس سلسلے میں راقم کی گذارش صرف یہ ہے کہ انشاء اللہ العزیز ایسا ہی ہو گا — اس لئے کہ ہمارے نزدیک نہ یہ کوئی اساسی اور بنیادی مسئلہ ہے، نہ ہی برصغیر کے دونوں ملکوں یعنی پاکستان اور بھارت تو کجا، کسی چھوٹے سے چھوٹے مسلمان ملک کے علماء کرام کا کسی شخص واحد کی امامت و امارت پر متفق ہو جانے کا کوئی امکان حال چھوڑ مستقبل میں بھی دُور دُور تک موجود ہے! ——— اور واقعہ یہ ہے کہ راقم نے اس مسئلہ کو ہرگز کسی ارادے یا منصوبے کے تحت نہیں چھیڑا بلکہ یہ "از خود" (اور چونکہ ہم "از خود" کچھ ہونے کے ہرگز قائل نہیں ہیں، بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے مشیّتِ ایزدی سے ہوتا ہے، لہٰذا) گویا "من جانب اللہ" چھڑ گیا۔

راقم کو اواخر ۱۹۷۴ء میں رمضانِ مبارک کے عشرہ اخیرہ کے وہ کیف آور لمحات اور ان کی سُرور آمیز کیفیات اچھی طرح یاد ہیں جب راقم مسجد خضراء، سمن آباد میں اعتکاف میں تھا اور اسی دوران میں راقم کے قلم سے وہ تحریر نکلی جو "میثاق" بابت اکتوبر، نومبر ۷۴ء میں بڑے سائز کے ۴۸ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے [1] جس میں راقم نے نہ صرف یہ کہ اُمّتِ مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا ہے اور عروج و زوال کے ادوار کا تجزیہ کیا ہے بلکہ موجودہ "ہمہ گیر احیائی عمل" کا جائزہ بھی لیا ہے اور اُس کے مختلف "محاذوں" کی تفصیل بھی بیان کی ہے ——— اسی کے ضمن میں راقم کے قلم سے مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کی بیعتِ امامت کی تجویز کے بارے میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم سے سنا ہوا ایک واقعہ اور اُس موقع پر مولانا معین الدین اجمیری رح کی زبان سے نکلا ہوا ایک جملہ ٹپک گیا ——— جس پر صرف سن کی غلطی کی آڑ لے کر ایک نہایت جارحانہ تردیدی خط لکھ دیا ڈاکٹر احمد حسین کمال صاحب نے، جس پر میرے لئے مزید تحقیق و تفتیش لازم ہو گئی اور اس طرح

---

[1] اور اب میری تالیف "سرافگندیم" کے آغاز میں بطور مقدمہ شامل ہے۔

الحمدللہ کہ برصغیر پاک و ہند میں "تاریخ دعوت و عزیمت" کا ایک اہم لیکن گمشدہ باب روشنی میں آگیا۔

اس تحقیق و تفتیش کے دوران جو انکشافات، مجھ پر ہوئے اُن میں سے اہم ترین حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ المعروف بہ 'شیخ الہند' کی عظمتِ شان اور جلالتِ قدر کے بارے میں تھا۔ جن سے اس وقت تک میں اصلاً تو ان کے ترجمۂ قرآن کے حوالے ہی سے واقف تھا اور اس کی بنا پر میرے دل میں اُن کے لئے ایک گونہ محبت و عقیدت بھی موجود تھی مزید برآں اُن کی ذاتی عظمت' ان کے تقوٰی و تدیّن، اُن کے اخلاص و للّٰہیت، ان کا علم و فضل' ان کے مجاہدانہ کردار' اُنکی عالی ہمتی اور جہاد حریت اور تحریک استخلاصِ وطن میں ان کے مقام و مرتبہ کا تو کسی قدر اندازہ تھا لیکن اُن کی وُسعتِ نظر، اُنکی عالی ظرفی' انکی معاملہ فہمی، ان کی انسان شناسی' ان کی وسعتِ قلب ——— اور سب سے بڑھ کر اُن کی عاجزی و انکسار کا کوئی اندازہ راقم کو نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ذاتی عظمت کے اس پہلو کے 'یکبارگی' انکشاف سے راقم پر ایک مبہوتیت سی طاری ہوگئی۔ چنانچہ اس موقع پر جو تحریر راقم کے قلم سے نکلی اُس میں ایک والہانہ آمد کی کیفیت بدرجۂ اتم موجود ہے!

> وہ دن اور آج کا دن! ——— راقم کی پختہ رائے ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے مجدّد حضرت شیخ الہندؒ تھے! اس لئے کہ اُن کی سی 'جامعیتِ کبریٰ' کی حامل کوئی دوسری شخصیت اس پوری صدی میں کم از کم مجھے نظر نہیں آتی۔

میری مذکرہ بالا تحریر اوّلاً 'میثاق' بابت ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی تھی اور اس سے وہ بحث ختم ہوگئی تھی جو اس پوری تحقیق و تفتیش کا سبب بنی تھی، چنانچہ اس کے بعد پورے آٹھ سال اس مسئلے پر 'میثاق' کے صفحات میں کوئی بات نہیں آئی۔ لیکن ۸۴-۱۹۸۳ء میں میرے جو طوفانی دورے 'پاکستان کے طول و عرض میں ہوئے اور اُن کے دوران حلقۂ دیوبند کے علماء کرام کی ایک بڑی تعداد سے ملاقات اور

گفت و شنید کا موقع ملا تو یہ افسوسناک انکشاف ہوا کہ دیوبندی علماء کی نوجوان نسل کی عظیم اکثریت تو حضرت شیخ الہندؒ کے صرف نام سے واقف ہے، اُن کی عظمت سے بالکل واقف نہیں، بزرگ حضرات کی اکثریت بھی اپنے اکابر میں سے بعض دوسری عظیم شخصیتوں کو جو مقام دیتی ہے وہ حضرت شیخ الہندؒ کو نہیں دیتی ــــ اور خاص طور پر مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی بیعتِ امامت کی تجویز کی ناکامی اور اس کے اسباب تو دُور رہے اس واقعہ کا علم تک کسی کو نہیں ہے! ــــ تب خیال ہوا کہ اس تحریر کو دوبارہ شائع کر دیا جائے، چنانچہ اسے "قندِ مکرّر" کے طور پر 'میثاق' کی جنوری ۸۴ء کی اشاعت میں شائع کر دیا گیا۔

اس پر کہروڑ پکا (ضلع ملتان) کے ایک عالمِ دین مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی نے دو خطوط تو راقم کو لکھے اور ایک مضمون معاصرِ 'الخیر' ملتان میں شائع کرایا جس میں اس تحریر کی اشاعت ــــ اور تکرار کے پس پردہ جس محرّک کا سراغ لگایا وہ ان ہی کے الفاظ میں یہ ہے:-

"مگر ڈاکٹر اسرار احمد اس سے کچھ اور مفہوم اخذ کرنا چاہتے ہیں ۔ ان کے مطابق شیخ الہندؒ کے ارادت مند، عقیدت کیش جانشینوں کو اپنے شیخ کی طرح وسعتِ قلبی اور اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے اس دور میں ایک مثال قائم کرنی چاہیئے اور "سکّہ بند حنفیت" زہد و تقویٰ کی اجارہ داری اور روایتی، مدرسی علم کا ادّعا آڑے نہیں آنا چاہیئے۔

آج شیخ الہندؒ کے جانشین اتباعِ شیخ میں کس کو "امیر الپاکستان" تسلیم کر لیں ۔ اس کی وضاحت امیر تنظیم اسلامی نے نہیں فرمائی مگر اُن کے پیچ پیچ پُراسرار اور دبے دبے لفظوں میں جس شخصیت کے بارے میں وسعتِ قلبی اور اعلیٰ ظرفی اختیار کئے جانے کا مطالبہ جھلک رہا ہے ۔ وہ چشم بد دور "حضرتِ اقدس ڈاکٹر صاحب" ہی کی ذاتِ گرامی قدر معلوم ہوتی ہے ۔ مگر غالباً انہوں نے ازراہِ کسرِ نفسی اپنے نام کی صراحت نہیں فرمائی ۔ باقی

ع یہی کہتے ہیں وہ اور کیا کہنے کو ہیں ۔

آخر ــــ ع ہے تجھ میں مکر جانے کی ہمت تو مکر جا۔"

اس کے جواب میں جو کچھ میں نے انہیں تحریر کیا تھا اُس کے بعض ضروری حصے بھی فوری مراجعت کے لئے پیشِ خدمت ہیں :

"البتہ اس کے بین السطور میں آپنے میری جس "نیّت" یا "خواہش" کا سُراغ لگایا ہے، میں اسکی بالکلیہ نہ تردید کرتا ہوں نہ توثیق ـــ من وجہ اقرار ہے ـــ اور ـــ من وجہ انکار!

ایک شاعر کے قول "ہم اقراری مجرم ہیں" کے مصداق مجھے برملا اعتراف ہے کہ مجھے اللہ تعالٰے نے جس کام کے لئے اپنی زندگی وقف کر دینے کی توفیق عطا فرمائی ہے اور جس کے لئے میں نے اپنے پیشۂ طب کو بھی خیرباد کہا ہے وہ وہی ہے جس کی بیسویں صدی عیسوی میں پہلی بار نہایت زور دار دعوت دی تھی مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے 'الہلال' اور 'البلاغ' کے ذریعے ـــ اور جس کے لئے انہوں نے عملی جدّوجہد کا آغاز بھی "حزب اللہ" کے قیام کی صورت میں کر دیا تھا۔ لیکن جسے وہ بعض داخلی عوامل اور خارجی موانع کے باعث جلد ہی بددل ہو کر چھوڑ بیٹھے" (میثاق" نومبر۸۴ ص۶)

"..... بہرحال میرے نزدیک مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے اس انتقالِ موقف سے جو جگہ خالی ہوئی تھی اسی کو پُر کرنے کے لئے اٹھے تھے مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم ـــ چنانچہ یہ محض 'اتفاق' نہیں ہے کہ مولانا مودودی مرحوم کی پہلی تصنیف تھی "الجہاد فی الاسلام" جو گویا نہایت بسیط اور مدلّل صدائے بازگشت تھی 'الہلال' اور 'البلاغ' کی دعوتِ جہاد فی سبیل اللہ کی ـــ اور مولانا آزاد مرحوم کی تفسیر اور مولانا مودودی مرحوم کے ماہنامے دونوں کا نام ایک ہی ہے یعنی "ترجمان القرآن"۔

مولانا مودودی مرحوم کے بعض نظریات سے شدید اختلاف کے باوجود میری رائے ہے کہ انہوں نے اصلاً اس دعوت کے تسلسل کو قائم رکھا جس کے داعئ اوّل مولانا آزاد تھے ـــ اور اس سلسلے میں یقیناً قابلِ لحاظ پیش رفت بھی کی ۔ لیکن افسوس کہ جس طرح ان کے پیش رَو اپنے رُخ کی تبدیلی کے بعد کلیتہً وقف ہو کر رہ گئے تھے ہندوستان کی قومی سیاست کے

اسی طرح مولانا مودودی اوران کی قائم کردہ جماعت اسلامی بھی آزادیٔ ہند اور قیامِ پاکستان کے بعد "پاکستانی قومی سیاست" کی نذر ہو گئے —— اور اس طرح خالص اقامتِ دین و غلبۂ دین کی جدوجہد اور اسلام کی انقلابی دعوت کا تسلسل پھر ٹوٹ کر رہ گیا — چنانچہ اسی کے احیاء کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دینے کا عزم مصمم کیا ہے ان سطور کے حقیر و عاجز راقم نے —— اور اس کام میں وہ اپنے آپ کو محتاج پاتا ہے جملہ علمائے دین، بالخصوص حلقۂ دیوبند کے وابستگان کی اعانت اور سرپرستی کا — چنانچہ یہ ہے میری اصل خواہش یا تمنّا جسے آپ نے میری تحریر کے بین السطور پڑھا ہے' اور اس حد تک میں "اقراری مجرم" ہوں —— لیکن اگر آپ اسے تعبیر کرتے ہیں "امام الباکستان" بننے کی خواہش اور منصب کی تمنّا سے تو یہ میرے نزدیک بقول "جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے" کے مصداق خالصۃً آپ کے اپنے ذہن کی تخلیق و اختراع ہے جس سے میں اظہارِ براءت کرتا ہوں اور آپ سے بھی عرض کرتا ہوں کہ "اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" کی قرآنی ہدایت کو پیش نظر رکھیں اور اس سوءِ ظن سے اجتناب فرمائیں۔

الحمد للہ کہ مجھ پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہے کہ کسی ایک انسانی زندگی کے مختصر سے عرصہ میں کسی خطۂ زمین میں دعوتِ اسلامی کے آغاز سے اقامت و غلبۂ دین کی آخری منزل تک کے جملہ مراحل یا بالفاظِ دیگر اسلامی انقلاب کی تکمیل کا واقعہ تو پوری انسانی تاریخ میں ایک ہی بار ہوا ہے۔ یعنی سیّد الاوّلین والآخرین اور امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے —— اور آپؐ ہی کے مقصدِ بعثت کی آخری تکمیل (بقول امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ) (ازالۃ الخفا) کے طور پر یہ کام ایک بار پھر ہوگا —— اور عالمی سطح پر ہوگا۔ لیکن اس کے لئے آپؐ کے غلاموں کو کئی نسلوں تک مسلسل جدّوجہد کرنی ہوگی اور ایک ایک نسل کے دوران اس عمل کو ایک ایک درجہ آگے بڑھا دینا بھی اُمت کے لئے بہت بڑی کامیابی ہے اور

جو خوش قسمت افراد اس کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں ان کیلئے بہت بڑی سعادت ہوگی - اور اس ضمن میں اپنی تمام تر ناکامیوں کے باوصف جو خدمت انجام دی تھی مولانا آزاد نے - اسی کے چراغ سے روشن ہوا جماعتِ اسلامی کا دیا — اور اب اسکی بھی ناکامی کے بعد ان شاء اللہ اسی کی خاکستر سے نئی چنگاریاں روشن ہونگی اور میں اپنی تمام تر بے بضاعتی کے باوجود خواہشمند ہوں ؎

احب الصالحین ولست منہم — لعل اللہ یرزقنی صلاحًا

کے مصداق اسی فہرست میں اپنا نام درج کرانے کا — لیکن ہرگز مبتلا نہیں ہوں اس خبط و حماقت میں کہ یہ عظیم کام میری امامت، میں سرانجام پائے گا اور میں نہ صرف یہ کہ مجدّدین کی فہرست میں جگہ پا جاؤں گا بلکہ بقول مولانا مودودی "مجدّدِ کامل" کے مقام پر فائز ہو جاؤں گا!"

("میثاق" نومبر ۸۴ صفحہ ۶۲ و ۶۳)

البتہ جہاں تک حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ کا تعلق ہے تو اگرچہ میں مجموعی اعتبار سے بھی اُن سب کی عظمت اور جلالتِ شان کا تہہ دل سے قائل و معترف ہوں، اور اُن میں سے ایک ایک کے اپنے اپنے مقام پر علم و فضل، تقویٰ و تدین، خلوص و اخلاص، اور عظمتِ کردار کا نقش میرے دل پر قائم ہے - بلکہ میں نے کہیں پہلے بھی یہ لکھا ہے اور اب پھر اعادہ کر رہا ہوں کہ میرے نزدیک جس طرح امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی جامعیتِ کبریٰ کی مظہر ہیں اُن کی تصانیف و تالیفات، اُسی طرح حضرت شیخ الہندؒ کی "جامعیتِ کبریٰ" کے مظہر اتم ہیں ان کے تلامذہ بحیثیت مجموعی — تاہم راقم اپنے اس داخلی احساس کے اظہار پر اپنے آپکو مجبور پاتا ہے کہ انفرادی طور پر ان عظیم شخصیتوں میں سے کوئی ایک بھی اُن کی سی "جامعیت" کی حامل نظر نہیں آتی، اس ضمن میں بھی راقم اپنی آج سے دس سال قبل کی تحریر کا اقتباس پیش کر رہا ہے، اس لئے کہ آج بھی اُس کی رائے یہی ہے :-

"اور اس پس منظر میں، ہمیں معاف فرمایا جائے اگر ہم اپنے آپ کو اپنے

اس احساس کے اظہار پر مجبور پاتیں، کہ اُن کے جانشینوں میں سے مختلف حضرات انکی ہمہ گیر شخصیت کے مختلف پہلوؤں کے وارث تو ضرور بنے لیکن کوئی بھی انکی جامعیت کا وارث نہ بن سکا۔ گویا ؎

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے وہی آبِ گِل ایراں وہی تبریز ہے ساقی!

اور صورتِ حال بالکل اس شعر کے مصداق ہوگئی کہ ؎

"اڑائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری!

خصوصًا وہ حضرات جو سیاست یا جہادِ حرّیت، یا تحریک استخلاصِ وطن کے میدان میں ان کے جانشین بنے انہوں نے تو اپنے گرد تقلیدِ جامد کا لبادہ اس قدر کس کر لپیٹا کہ دُنیا اِدھر سے اُدھر ہوگئی لیکن انہوں نے اپنے موقف میں ترمیم کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔"

(تحریر ۱۹۷۵ء (میثاق جنوری ۷۸ء صلہ ۶۱)

اس ضمن میں مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہ کی تحریر کے پیش نظر راقم اپنی اس رائے کے اظہار کی بھی ادب کے ساتھ اجازت چاہتا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ یا حضرت کے شاگردوں کی اصطلاح تو درست ہے، لیکن "شیخ الہندؒ کی جماعت" یا "جماعتِ شیخ الہندؒ" کی اصطلاح جو مولانا نے اپنی اس تحریر میں گیارہ بار استعمال کی ہے، واقعہ کے خلاف ہے ــــــ اور راقم کا شدید احساس ہے کہ اصل میں یہی وہ کمی ہے جو اس حلقے میں رہی جس کے باعث ان نابغۂ روزگار ہستیوں سے جو برکاتِ عظیمہ ملتِ اسلامیہ ہندیہ کے حق میں ظہور پذیر ہوسکتی تھیں وہ بتمام و کمال نہ ہو پائیں جس کے نتیجے میں اُن کی حیثیت قومی اور سیاسی سطح پر مآل کار اور نتائج واقعی کے اعتبار سے عظیم تر اور سیکولر مزاج سیاسی تحریکوں کے "ضمیموں" کی ہوگئی ــــــ چنانچہ اسی پس منظر میں اصل عظمت ابھر کر سامنے آتی ہے حضرت شیخ الہندؒ کی اس خواہش کی کہ کسی کو امام الہندؒ مان کر اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اُن کی جامع و مجمع ذات کے اٹھتے ہی وہ انجمن منتشر ہو جائے جو انہوں نے عمر بھر کی کمر توڑ دینے والی مشقت سے سجائی تھی ــــــ اور اسی

سے سمجھ میں آتا ہے اس مسئلے میں حضرتؒ کے انہماک کی شدت کا سبب کہ بقول مولانا سعید الرحمٰن علوی (سابق مدیر "خدام الدین" لاہور) :

کہ "شیخ الہندؒ نے شدید علالت کے دوران جمعیت علماءِ ہند کے دوسرے جلسہ ۱۹ تا ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء بمقام دہلی کی صدارت بھی فرمائی تھی اور خطبہ صدارت بھی ارشاد فرمایا تھا۔ بقول مولانا محمد میاں "بیماری و نقاہت کے سبب تھوڑی دیر بھی اسٹیج پر بیٹھنا دشوار تھا" لیکن اس اجلاس کے اہم ترین ایجنڈا یعنی امیر الہند کے انتخاب کے سلسلے میں ان کے احساسات یہ تھے "میری چارپائی اٹھا کر جلسہ گاہ میں لے جائی جائے۔ اور یہ کام کر لیا جائے۔ پہلا شخص جو بیعت کرے گا وہ میں ہوں گا"

(میثاق اکتوبر ۸۲ بحوالہ تاریخ امارت ص۵۲)

"ماشاء اللہُ کانَ وما لم یشاء لم یکن" ۔ اور "ان کلمۃ 'لو' تفتحُ عملَ الشیطان" کے پیش نظر قلم اور زبان پر گرہ لگ جاتی ہے ورنہ دل کی گہرائیوں سے تو ہوک سی اُٹھتی ہے کہ کاش! حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ اس مرحلہ پر یا حضرتؒ کی وفات کے فوراً بعد اگر مولانا آزاد مرحوم پر دل نہیں ٹھکتا تھا تو اپنے میں سے کسی اور کے ہاتھ پر "اطاعت فی المعروف" کی بیعت کر لیتے تو بعد میں صرف مزاج اور افتادِ طبع اور ورائے اور خیال کے اختلاف نے جو گل کھلائے وہ نہ کھلتے اور یہ حضرات ایک بنیان مرصوص کی مانند "اٰمُرُکُمْ بخمسٍ : بالجماعۃِ والسّمعِ والطّاعۃِ والھجرۃِ والجہادِ فی سَبِیْلِ اللّٰہ" پر باحسنِ وجوہ عمل پیرا ہو سکتے۔

کہا جا سکتا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی میں اُن کی 'جماعت' کونسی 'بیعت' پر قائم تھی جو عندالوفات یا بعدالوفات اس معاملے کی اس قدر اہمیت ہو گئی!؟؟ ــــ تو اس کا جواب مسکت تو یہ قاعدہ کلیّہ ہے کہ 'کسی شئی کا عدم ثبوت اُس کے وجود کے عدم کو مستلزم نہیں ہے!' ــــ ویسے راقم کے نزدیک اس کی اصل وجہ وہی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل کی تھی کہ مکہ میں پورے دس برس تک جو لوگ ایمان لائے اُن سے آپ نے کوئی بیعت نہیں لی لیکن مدینہ والوں سے آپ نے ایک چھوڑ دو دو بیعتیں لیں۔ اس کا سبب

جو بادنیٰ تامل سمجھ میں آجاتا ہے یہ ہے کہ مکہ میں آنحضورؐ بنفس نفیس موجود تھے اور جملہ اہلِ ایمان آپؐ کی اطاعت کرتے ہی تھے لہٰذا "قیامِ جماعت" یا "نظمِ سمع وطاعت" کے لئے کسی رسمی بیعت کی چنداں ضرورت نہ تھی، لیکن مدینہ والوں کا معاملہ مختلف تھا وہاں کے لئے آنحضورؐ نے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر بارہ نقیب نامزد فرمائے تھے اور آپؐ کی عدم موجودگی میں وہاں کے مسلمانوں کو ان ہی کی اطاعت کرنی تھی - چنانچہ آپؐ نے ان سے اُن جامع الفاظ میں بیعت لی جو حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے متفق علیہ روایت میں منقول ہیں: بَایعنا رسول اللہ صَلی اللہُ علیہ وسلم عَلیَ السَّمع وَالطاعۃ فی العُسْرِ وَالیُسرِ والمنشطِ والمکرہ وعلیٰ اثرۃٍ علینا وعلیٰ اَن لا ننازِعَ الاَمْرَ اَھْلَہٗ وعلیٰ اَنْ نقولَ بالحق اینما کنا لا نخاف فی اللہ لَوْمَۃَ لائم (بخاریؒ ومسلمؒ)

"(ترجمہ: ہم نے بیعت کی رسول اللہؐ سے سننے اور ماننے کی تنگی میں بھی اور کشادگی میں بھی اور طبیعت کی آمادگی کی کیفیت میں بھی اور ناگواری کے احساس کے باوصف بھی اور اس پر بھی کہ ہم پر خواہ کسی کو بھی ترجیح دی جائے، اور اس پر بھی کہ ہم اصحاب امر سے جھگڑیں گے نہیں البتہ حق بات ضرور کہیں گے خواہ کہیں بھی ہوں، اللہ کے معاملے میں کسی بھی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔"

بعینہٖ یہ معاملہ یہاں تھا کہ جب تک حضرت شیخ الہندؒ موجود تھے رسمی بیعت کے بغیر بھی کام چل سکتا تھا - اگرچہ واقعات یہ ہیں کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۲ء میں "الہلال" جاری کرنے کے ایک ہی سال بعد یعنی ۱۹۱۳ء میں بعض حضرات سے بیعت لی اور اس طرح "حزب اللہ" وجود میں آگئی ــــ لیکن ۱۹۱۵ء میں انہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کو آمادہ کر لیا اور خود اپنے متوسلین سمیت ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی - اس کے بعد ایک اختلاف رائے پیش آگیا، مولانا آزاد کی رائے

تھی کہ حضرتؒ ہندوستان ہی میں مقیم رہ کر تحریک چلائیں، لیکن بعض دوسرے اصحاب الرائے نے مشورہ دیا کہ حجاز تشریف لے جائیں اور وہاں مرکز بنائیں، مولانا آزاد کا فرمانا ہے کہ "افسوس کہ حضرتؒ نے دوسری رائے کو اختیار فرمایا!" — بہرحال حجاز سے حضرتؒ کی گرفتاری عمل میں آگئی — اور وہاں سے واپسی اس وقت ہوئی جبکہ شمع حیاتِ دنیوی گل ہوا چاہتی تھی" — چنانچہ یہ ہے وہ مرحلہ جس پر حضرتؒ کی شدید خواہش تھی کہ مولانا آزاد کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے لیکن افسوس کہ بوجوہ ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی!

مولانا قاسمی مدظلہٗ کی تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ وہ صرف "جمعیتِ علماءِ ہند" ہی کو "حضرت شیخ الہندؒ کی جماعت" قرار دیتے ہیں۔ راقم کے نزدیک یہ رائے دو اعتبارات سے محلِ نظر ہے:

ایکؔ یہ کہ 'جمعیت علماء ہند' — کو 'جماعت' قرار دینا ہی صحیح نہیں ہے اسے زیادہ سے زیادہ 'علماء ہند کا ایک مشترکہ پلیٹ فارم' قرار دیا جا سکتا ہے۔ سنن دارمیؒ کی مرفوع روایت میں یہ الفاظ مبارکہ موجود ہیں کہ "لاجماعۃ الا بالامارۃ" لہٰذا چونکہ جمعیت علماء ہند — 'جماعت' نہ تھی اسی لئے اس میں 'صدارت' تھی 'امارت' نہ تھی![1]

ثانیاً — اگر "جماعتِ شیخ الہندؒ" کے الفاظ وسیع تر معنی میں لئے جائیں تو اس کے اہم ترین 'ارکان' میں سرفہرست نام آئیں گے مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے، پھر نام ہوں گے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کے، اور پھر نام آئیں گے ایکؔ جانب کثیر تعداد میں علماء کرام کے جن میں سرفہرست ہونگے مولانا انور شاہ کاشمیریؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ، مفتی کفایت اللہؒ اور مولانا ابوالمحاسن سجاد بہاریؒ اور دوسریؔ جانب ایک بڑی تعداد میں غیر علماء کے جن میں سرفہرست ہوں گے۔ حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری وغیرہم بلکہ یہ فہرست نامکمل رہے گی حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے نام نامی اور اسم گرامی کے بغیر، اس لئے کہ اُن سے بھی یہ قول منقول ہے کہ: "میں بھی حضرت شیخ الہندؒ کی جماعت

---

[1] اس موضوع پر بعض دلچسپ تعاقبات مولانا نعمانی کی اس تحریر میں مذکور ہیں جو اس شمارہ میں شائع کی جا رہی ہے۔

ہی کا آدمی ہوں ۔" جس کے راوی ہیں مولانا افتخار احمد فریدی مراد آبادی مدظلہٗ ۔
اگرچہ اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ حضرت شیخ الہندؒ کے انتقال کے کچھ عرصے بعدؒ جمعیت علماء ہند، کے پلیٹ فارم پر مولانا مدنیؒ کی شخصیت اپنے جذبہ وجوش، محنت ومشقت، تواضع وایثار اور مجاہدانہ سیرت وکردار کی بنا پر کلیتہً چھا گئی تھی ۔ چنانچہ بقیہ حضرات میں سے جو بھی اپنے مزاج اور افتاد، یا پالیسی اور حکمتِ عملی کے اعتبار سے ان سے ہم آہنگی اختیار نہ کرسکا وہ نہایت خاموشی اور حلم ووقار کے ساتھ ابتداءً غیر فعال اور رفتہ رفتہ غیر متعلق ہوتا چلا گیا اور اس طرح جہادِ حریت اور تحریک استخلاصِ وطن کے میدان میں حضرت شیخ الہندؒ کے مسلمہ جانشین کی حیثیت حاصل ہوگئی مولانا مدنیؒ اور ان کی زیرِ قیادت جمعیتِ علماءِ ہند کو ؎

مولانا آزاد مرحوم ۱۹۲۰ء کے بعد بھی اگرچہ جمعیت علماء ہند کے جلسوں میں شرکت فرماتے رہے لیکن اصلاً انہوں نے کچھ علماء کے رویّے سے بددل ہوکر ؎ اور کچھ اس شعر کے مصداق کہ ؎

"کچھ اور چاہیئے وسعت میرے بیاں کے لئے!
سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں کے لئے!"

؎ اس ضمن میں مولانا قاسمی مدظلہٗ نے مولانا آزاد کے حلم ووقار اور عالی ظرفی کا تذکرہ جن الفاظ میں کیا ہے وہ تو راقم کے نزدیک بہت قیمتی ہیں، یعنی :

"جس ہستی (مولانا آزاد) کی امامت کے مسئلے کو وہ (یعنی راقم الحروف) سند کے طور پر علماءِ دیوبند کے سامنے پیش کر رہے ہیں اُس دانش مند ہستی نے امامت کی تجویز کو حالات کے پیش نظر کس طرح لپیٹ کر رکھدیا اور ساری زندگی مولانا مرحوم اسے زبان وقلم پر نہ لائے! امامت کی تجویز کی مخالفت گھر میں ہوئی ۔ ان رفقاء سے ہوئی جو مولانا آزاد کی رفاقت میں کام کر رہے تھے مگر مولانا نے حالات کے تیور دیکھ کر ہمیشہ کے لئے خاموشی اختیار کرلی اور کبھی شکوہ وشکایت زبان پر نہ لائے!"

تاہم یہ عرض کرنے کو ضرور جی چاہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا چاہیئے کہ کوئی اور بھی اس اہم واقعہ کا ذکر نہ کرے اور اسلامیانِ ہند کی بیسویں صدی عیسوی کی تاریخ کے اس اہم باب کو ہمیشہ کے لئے پردۂ اخفاء ہی میں رہنے دیا جائے ۔

—— اپنی طبیعت کی جولانیوں کے لئے انڈین نیشنل کانگریس ہی کے پلیٹ فارم کو مستقلاً اختیار کر لیا۔ تاہم چونکہ سیاسی میدان میں کانگریس اور جمعیت کی حکمت عملی ایک ہی رہی لہٰذا ان دونوں بزرگوں کے مابین تا زیست کوئی تصادم تو درکنار کوئی اختلافِ رائے بھی سامنے نہیں آیا۔

"جماعتِ شیخ الہندؒ" کے ان متذکرہ بالا اساطین میں سے مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کے تفصیلی ذکر کی یہاں چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے بھی کہ وہ ہندوستان سے باہر چلے گئے تھے اور ان کی واپسی کم و بیش رُبع صدی کے بعد ہوئی —— اور اس لئے بھی کہ وہ ایک متنازعہ شخصیت ہیں اور ان کی زندگی کے آخری دَور کے نظریات و خیالات کے بارے میں متضاد آراء ملتی ہیں۔ والبتہ قارئین "میثاق" کی دلچسپی کے اعتبار سے ان کے ایک قول کے نقل کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا جس کے سامع و راوی حاجی عبدالواحد صاحب بحمداللہ تاحال بقیدِ حیات ہیں، اُن کا کہنا ہے کہ وطن واپسی پر جب مولانا سندھی لاہور تشریف لائے اور انہوں نے اپنے شاگردِ رشید یعنی حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے مشاغل کا مشاہدہ و مطالعہ کیا تو نہایت برہمی کے انداز میں فرمایا "میں نے اسے اس کام کے لئے تو تیار نہیں کیا تھا!!"۔ —— بہرحال اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم حضرت شیخ الہندؒ ہی کی جماعت کے اہم فرد تھے اور مولانا احمد علی لاہوریؒ کا سلسلہ بھی یقیناً حضرت شیخ الہندؒ ہی کے سلسلے کی ایک کڑی ہے!

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا معاملہ البتہ نہایت اہم بھی ہے اور بہت پیچیدہ بھی —— لہٰذا قدرے طوالت طلب ہے!

سب کو معلوم ہے کہ مولانا نہ حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ میں سے تھے نہ ہی باضابطہ مستند عالمِ دین تھے، تقویٰ کا علم تو اللہ ہی کو ہو سکتا ہے، تدیّن کے اعتبار سے وہ کسی طرح علماءِ کرام کے معیار پر پورے نہیں اترتے تھے، اور خود اُن کا قول ہے کہ "ہم گلیم زُہد اور ردائے رندی کو بیک وقت اوڑھنے کے جرم کے مرتکب ہیں!!" مزید

برآں وہ پختہ مقلد اور پکے حنفی بھی نہ تھے، بلکہ (حضرت مولانا عزیز گل مدظلہ سے
ایک حالیہ ملاقات میں شنیدہ جملے کے مطابق) واقعۃً "آزاد" تھے! ازروئے فکر
کے اعتبار سے انکا سب سے قریبی اور مضبوط ترین تعلق امام ابن تیمیہؒ سے تھا (بلکہ
برصغیر کے مسلمانوں کا امام ابن تیمیہؒ سے تعارف اصلاً اُن ہی کے ذریعے ہوا!)

دوسری طرف یہ بھی سب ہی جانتے ہیں کہ ذہانت اور فطانت کے اعتبار سے
اُن کا مقام بہت بلند تھا اور وہ واقعۃً 'ابوالکلام' تھے، اسی طرح ادب و انشاء
اور صحافت کے میدان کے بھی وہ عظیم شہسوار تھے، عربی اور فارسی پر تو انہیں
عبور حاصل تھا ہی، متعدد یورپین زبانوں پر بھی دسترس رکھتے تھے، اور بالکل
نوجوانی کی عمر میں وہ اچانک اس طرح اُبھر کر سامنے آئے تھے کہ وقت کی بڑی بڑی
ہستیاں اور عظیم شخصیتیں حیران ہو کر رہ گئی تھیں۔!

لیکن اُن کی اصل اہمیت اس اعتبار سے تھی کہ انہوں نے مسلمانانِ ہند کی ایک
بہت بڑی تعداد کو خوابِ غفلت سے بیدار کر دیا اور اُن کے سامنے نہ صرف یہ کہ
'اعلاءِ کلمۃ اللہ' یا 'قیامِ حکومتِ الٰہیہ' کا نصب العین رکھ دیا بلکہ اُس کے لئے
صحیح طریق کار کی بھی نشاندہی فرمادی اور امام مالکؒ کا یہ قول یاد دلا کر کہ "لا یصلح
اٰخرُ ھٰذہِ الامّۃِ الّا بما صلح بہٖ اوّلھا" واضح کر دیا کہ اس مقصد
کے لئے پیشقدمی صرف اور صرف نبویؐ منہجِ عمل پر ممکن ہے! جس کے تین لازمی
اجزاء ہیں: (۱) دعوت و تبلیغ اور تطہیرِ افکار و تعمیرِ سیرت ــــ بذریعہ قرآن
(۲) بعنوانِ حدیثِ نبویؐ: "اٰمُرُکُم بخمسٍ: بالجماعۃ والسمع والطاعۃ
والھجرۃ والجھاد فی سبیل اللہ" تنظیم اور شیرازہ بندی ــــ بذریعہ
بیعت، اور (۳) جذبہ و جوشِ جہاد اور ذوق و شوقِ شہادت!

اہم ترین بات یہ کہ ذہانت و فطانت کی بہتات کے ساتھ ساتھ مولانا میں
ہمت و عزیمت کی فراوانی کا عالم یہ تھا کہ ۱۹۱۲ء میں چوبیس برس کی عمر میں 'الہلال'
جاری کیا، جس نے ایک سال کی مختصر مدت کے اندر اندر برصغیر کے طول و عرض میں
تہلکہ مچا دیا ــــ اور پھر اگلے ہی سال یعنی ۱۹۱۳ء میں 'بیعت' کی اساس پر بالفعل
'حزب اللہ' قائم فرمادی!

مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی شخصیت کا یہی پہلو ہے جس نے شیخ وقت اور اُستاذ العلماء حضرت شیخ الہندؒ کو اُن کا گرویدہ بنا دیا ——— اور گرویدہ بھی اتنا کہ حضرت شیخ کے یہ الفاظ تو مشہور و معروف ہیں ہی کہ "اِس نوجوان نے ہمیں ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا ہے!" (ان الفاظ کی توثیق راقم الحروف نے ذاتی طور پر حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ سے بھی حاصل کر لی تھی!) ——— مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدظلہٗ کی روایت کے مطابق ۱۹۱۵ء میں حادثۂ کانپور کے بعد حالات کو سنبھالنے کے لئے جب یو پی کے لیفٹیننٹ گورنر دارالعلوم دیوبند آئے اور اُن کے ایماء پر مہتمم صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد کے داخلے پر پابندی لگا دی تو احتجاجاً حضرت شیخ الہندؒ نے بھی شرکت سے انکار فرما دیا ——— اور لوگوں کے سمجھانے بجھانے پر کہ حضرت! آپ اس نوجوان کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہیں؟" حضرت شیخ الہندؒ نے جواباً یہ شعر پڑھا: "کامل اس طبقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی

کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے!"

۱۹۱۵ء میں مولانا نے خود ——— (گویا اپنی "حزب اللہ" سمیت!) حضرت شیخ الہندؒ کے دستِ حق پرست پر "بیعت" کی، اس کے فوراً بعد حضرتؒ کی حجاز روانگی ہو گئی۔ جہاں سے اسیری اور پھر اسیری سے رہائی کے بعد ۸ رجون ۱۹۲۰ء کو واپسی ہوئی، اور ۳۰ر نومبر ۱۹۲۰ء کو انتقال ہو گیا۔

حضرت شیخ الہندؒ کی حیاتِ دنیوی کے آخری پونے چھ ماہ جہاں اس اعتبار سے "تاریخ دعوت و عزیمت" کے ایک نہایت درخشاں باب کی حیثیت رکھتے ہیں کہ پیری اور ضعیف العمری کی درماندگی و نقاہت اور عوارض و امراض کے غلبہ و شدت کے باوصف و علی الرغم اُن کا جذبۂ جہاد اور جوشِ عمل پورے عروج پر تھا اور دینِ حق اور اُمتِ محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لئے اُن کی دردمندی پورے شباب پر تھی، وہاں اس اعتبار سے بھی بہت اہمیت کا حامل ہے (اور اِس پہلو پر افسوس ہے کہ کم ہی توجہ دی گئی ہے!) کہ اِسی کے دوران اُن کے عمر بھر کے غور و فکر، مطالعہ و مشاہدہ، اور تجربات کا خلاصہ و نچوڑ اور بالخصوص اسارتِ مالٹا کی تنہائیوں کے سوچ بچار اور غور و خوض کا حاصل و لُبِّ لباب سامنے آتا ہے:

چنانچہ یہی ہیں وہ ایام جن کے دوران حضرتؒ کی زبانِ حقیقت ترجمان سے وہ حکیمانہ جملے ادا ہوئے کہ :

"میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے - ایک اُن کا قرآن چھوڑ دینا، دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے - بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی بستی میں قائم کیے جائیں - بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔" (ماخوذ از "وحدتِ امت"، تالیف مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ)

غور کا مقام ہے کہ کیا یہ صدائے بازگشت نہیں ہے اُسی نعرۂ حق کی جو مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۵ء میں 'البلاغ' کے پہلے شمارے (مورخہ ۱۲ نومبر) میں ان الفاظ میں لگایا تھا :

"اگر ایک شخص مسلمانوں کی تمام موجودہ تباہ حالیوں اور بدبختیوں کی علتِ حقیقی دریافت کرنا چاہے اور ساتھ ہی یہ شرط بھی لگائے کہ صرف ایک ہی علتِ اصلی ایسی بیان کی جائے جو تمام علل و اسباب پر حاوی اور جامع ہو تو اس کو بتایا جا سکتا ہے کہ علماءِ حق و مرشدینِ صادقین کا فقدان اور علماءِ سوء و مفسدین و دجالین کی کثرت — رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا —

اور پھر اگر وہ پوچھے کہ ایک ہی جملے میں اس کا علاج کیا ہے تو اس کو امام مالکؒ کے الفاظ میں جواب ملنا چاہیئے کہ "لَا يَصْلُحُ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِهٖ اَوَّلُهَا" یعنی امتِ مرحومہ کے آخری عہد کی اصلاح کبھی نہ ہو سکے گی، تاوقتیکہ وہی طریق

اختیار نہ کیا جائے جس سے اس کے ابتدائی عہد نے اصلاح پائی تھی اور
وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ قرآن حکیم کے اصلی و حقیقی
معارف کی تبلیغ کرنے والے مرشدین صادقین پیدا کیے جائیں۔"
پھر انہی ایام میں حضرت رح نے سفر فرمایا علی گڑھ کا ـــ جہاں سنگ بنیاد رکھا
'جامعہ ملیہ' کا ـــ اور وہاں ارشاد فرمائے یہ تاریخی جملے :
"اے نونہالانِ وطن جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار جس
سے میری ہڈیاں پگھلی جارہی ہیں ، مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور
اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور چند مخلص احباب نے
ایک قدم علی گڑھ کی جانب بڑھایا اور اس طرح ہم نے دو تاریخی
مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا !"

(میثاق، جنوری ۸۴ء صفحہ ۱۲ بحوالہ "بیس بڑے مسلمان")

غور کرنا چاہیئے کہ یہ حضرتِ شیخ رح کا واقعی احساس تھا یا تصنع و تکلف پر مبنی
دلجوئی اور مدارات کا معاملہ ؟

پھر اسی سلسلۂ واقعات کا نقطۂ عروج ہے حضرت رح کے ایماء پر جمعیت علماء
ہند کے اجلاس میں مفتی کفایت اللہ دہلوی رح کی تجویز اور مولانا احمد سعید
دہلوی رح کی تائید کے ساتھ پیش ہونے والا "امارت و امامت" اور مولانا ابوالکلام
آزاد کے ہاتھ پر 'بیعت' کا معاملہ !

غور طلب بات ہے کہ کیا امامتِ ہند کے لئے حضرت شیخ رح کی نگہ انتخاب
کا مولانا آزاد کی ذات پر ٹک جانا محض رواداری کا معاملہ تھا ؟ اور کیا اس سے
یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسلم انڈیا کے مستقبل کے ضمن میں اُس مرحلے پر حضرتِ شیخ رح
کی نگاہیں مولانا آزاد ہی کی قیادت و رہنمائی پر مرتکز ہو گئی تھیں ؟ چشم تصور سے
دیکھئے کہ کیا اُس مجمع میں بیک وقت مولانا انور شاہ کاشمیری رح ایسے محدث و فقیہ،
علامۃ الہند مولانا معین الدین اجمیری رح ایسی جامع معقول و منقول شخصیت اور خود
تجویزِ امامت کے مجوز مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی رح ایسے فقیہ و مفتی موجود نہ تھے
جو مولانا آزاد کے مقابلے میں علم و فضل کے کوہ ہمالیہ کی حیثیت تو رکھتے ہی تھے عمر میں

بھی اُن سے بارہ بارہ تیرہ تیرہ برس بڑے تھے۔ پھر کیا اسی اجتماع میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ایسی شخصیت موجود نہ تھی جنہیں حضرت شیخؒ کا اس درجہ اعتماد حاصل تھا کہ اُن کے نمائندہ کی حیثیت سے اُن کی جانب سے خطبۂ صدارت انہوں نے ہی پڑھا تھا اور جنہیں حضرت شیخ الہندؒ کے مزاج اور طرزِ فکر سے اس درجہ ہم آہنگی حاصل تھی۔ کہ ترکِ موالات کے ضمن میں فتویٰ کی عبارت حضرت شیخ الہندؒ کو اُن ہی کی پسند آئی تھی؟ —— پھر خواہ اس اجتماع سے غیر حاضر ہی سہی لیکن ہندوستان میں اُس وقت موجود نہ تھے مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جو علم و فضل اور تقویٰ و تدین کا پہاڑ تو تھے ہی پورے ساڑھے چار سال حضرتِ شیخؒ کے شب و روز کے رفیق و خادم بھی رہے تھے؟ —— (واضح رہے کہ عمر میں مولانا آزاد سے مولانا عثمانیؒ تین برس اور مولانا مدنیؒ نو دس برس بڑے تھے!) —— پھر اگر ان سب کی موجودگی میں حضرت شیخؒ کی نگاہِ انتخاب مولانا آزاد مرحوم پر ٹک گئی تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ

اگر "حضرت شیخ الہندؒ کی جماعت" کسی حقیقتِ واقعیہ کا نام ہے تو ۱۹۲۰ء میں اس کا عظیم ترین مظہر مولانا ابوالکلام آزاد کی ذات تھی! [1]

اور اگر یہ صحیح ہے کہ یہ ۱۹۱۲ء تا ۱۹۲۰ء والے مولانا ابوالکلام آزاد ہی کی شخصیت کا معنوی تسلسل تھا جو ۳۲ — ۱۹۳۳ء میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی صورت میں سامنے آیا اور یہ 'الہلال' اور 'البلاغ' ہی کے پیغام کی صدائے بازگشت تھی جو ماہنامہ 'ترجمان القرآن' کے ذریعے دوبارہ لوگوں کے کانوں تک پہنچی اور یہ

---

[1] اس ضمن میں راقم کو شدت کے ساتھ احساس ہوتا ہے کہ مولانا آزاد سے اس درجہ محبت و شفقت اور انکی جانب اتنی عنایت و التفات کی بنا پر حضرت شیخؒ کے بہت سے معتقدین و متوسلین کے احساسات و جذبات کی کیفیت اور خاص اس معاملے میں حضرت شیخ کے بارے میں انکی سوچ کا رُخ کیا ہوگا —— اس کا اندازہ حضرت یعقوبؑ کی حضرت یوسفؑ سے والہانہ محبت کی مثال سے لگایا جا سکتا ہے جس کے ضمن میں قرآن مجید میں آنجنابؑ کے فرزندوں کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ "اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ" اور خود آنجنابؑ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ "لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ" ——

"حزب اللہ" ہی کی بدلی ہوئی صورت تھی جو ۱۹۴۱ء میں جماعتِ اسلامی کی شکل میں سامنے آئی تو کیا یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم بھی حضرت شیخ الہندؒ ہی کی جماعت کے ایک فرد تھے اور ان کا ترتیب دیا ہوا قافلۂ غلبہ و اقامتِ دین بھی "جماعت شیخ الہندؒ" ہی کی ایک شاخ تھا!

اور چونکہ راقم الحروف کو حق الیقین کے درجہ میں وثوق حاصل ہے کہ ابوالکلام آزاد مرحوم اور ابوالاعلیٰ مرحوم کی دعوت ـــــ اور "حزب اللہ" اور "جماعتِ اسلامی" کی تنظیمی ہیئتیں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، لہٰذا راقم کو نہایت پسند بھی آئے اور حد درجہ معنی خیز بھی نظر آئے مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہٗ کے مولانا مودودی کے بارے میں "علماءِ دیوبند کے فیض یافتہ عالم" کے الفاظ!

جہاں تک مولانا آزاد مرحوم کی حیاتِ دنیوی کے ۱۹۲۰ء تا ۱۹۵۸ء کے دور کا تعلق ہے مجھے اصلاً اُس سے نہ دلچسپی ہے نہ بحث ـــــ اور اپنی بیس سالہ پبلک لائف کے دوران میں نے اس کے بارے میں نفیاً یا اثباتاً بہت ہی کم کہا یا لکھا ہے۔ تاہم ریکارڈ درست رکھنے کے لئے عرض ہے کہ میرے نزدیک اس مسئلے کے تین گوشے ہیں: ایک ذاتی سیرت و کردار ـــــ اور اس کا بھی ایک گوشہ ہے بنیادی انسانی کیریکٹر کا اور دوسرا گوشہ ہے تقویٰ و تدین کا! ـــــ دوسرے نظریات و خیالات اور تیسرے سیاسی حکمتِ عملی،

جہاں تک سیاسی حکمتِ عملی کا تعلق ہے وہ مولانا آزاد کی بھی وہی تھی جو مولانا حسین احمد مدنیؒ کی زیرِ قیادت جمعیتِ علماءِ ہند کی رہی لہٰذا اُس کے ضمن میں تو بات بےجا ہوگی۔

جہاں تک بنیادی انسانی اخلاقیات اور اساسی سیرت و کردار کا تعلق ہے پوری دنیا اُن کے کیریکٹر کا لوہا مانتی ہے اور سوائے اس کے کہ کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاسی کشمکش اور رسہ کشی کی شدت کے دور میں بعض رکیک باتیں بھی اُنکے

بارے میں کہی گئیں جو ایک خاص دَور کی شدّتِ جذبات کا مظہر تھیں، اُن کی ذہانت و فطانت، فہم و بصیرت اور وُسعتِ فکر و نظر کے ساتھ ساتھ اُن کی پامردگی، بلند حوصلگی، جرأت و شجاعت، اور ثبات و استقامت، اور ان سب پر مستزاد اُن کی ذاتی شرافت و مروّت، عالی ظرفی، وضعداری اور وُسعتِ قلب کے بارے میں دو رائیں ممکن نہیں اس معاملے میں مولانا قاسمی مدظلہٗ نے خاص مسئلہ امامت و امارت کے ضمن میں ان کی حسن وسعتِ ظرف کا ذکر کیا ہے اس کا حوالہ پہلے آچکا ہے۔!

البتہ اُن کے تقویٰ و تدیّن اور بعض نظریات و خیالات کے بارے میں متضاد آراء موجود ہیں۔ تاہم راقم کے نزدیک اُنکی ذات کی حد تک تو کفِّ لسان اور اور "اذکروا موتاکم بالخیر" پر عمل اَولیٰ و انسب ہے ہی، اُن کے خیالات کے بارے میں بھی خود یہ رائے رکھنے کے باوجود کہ کچھ اپنی فلسفیانہ افتادِ طبع اور کچھ گاندھی جی کے قُرب کے باعث وہ اُن کے مُرشد راجہ رام موہن رائے کے ایجاد کردہ "نظریۂ وحدتِ ادیان" سے کسی قدر متاثر ہو گئے تھے راقم کا طرزِ عمل یہی ہے کہ کبھی اُس کا ذکر ہوتا بھی ہے تو نہایت اجمال و اختصار سے اور

راقم کے نزدیک اصل اہمیّت اسلام کی اُس اُصولی و انقلابی دعوت کی ہے جس کے برِّصغیر پاک و ہند میں اس صدی کے داعیٔ اوّل کی حیثیت عطا فرمائی اللہ تعالیٰ نے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کو۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ !

یہی معاملہ راقم کا مولانا مودودی مرحوم کے ساتھ بھی ہے۔ کہ جہاں تک انکے شخصی محامد و محاسن یا کوتاہیوں اور تقصیروں کا معاملہ ہے وہ ان کی ذات سے متعلق تھا اور خصوصاً اُن کی وفات کے بعد اُن کے "معائب" کے بارے میں گفتگو لاحاصل ہی نہیں، مضرت بخش بھی ہو سکتی ہے، البتہ جہاں تک اُنکے نظریات و خیالات کا تعلق ہے اُن میں سے جو چیزیں قابلِ گرفت نظر آئیں اُن پر تنقید و تبصرہ نہ صرف یہ کہ نامناسب نہیں بلکہ لازمی اور ضروری ہے۔ چنانچہ خود راقم

کو ان کے بعض نظریات سے شدید اختلاف ہے (جیسے اُن کا نظریۂ حکمتِ عملی اور تاریخ اسلام کے صدرِ اوّل کے دورِ فتن کے حالات و واقعات کے ضمن میں اُن کا تجزیہ اور بعض جلیل القدر صحابہ کرامؓ پر اُن کی نارَوا تنقید و الزام تراشی ـــــ اسی طرح تصوّف سے اُن کا بُعد اور اُسکی کلّی نفی و تردید وغیرہ) اور ان پر راقم نے مختلف مواقع پر لکھا بھی ہے اور اپنی تقاریر میں تفصیلی کلام بھی کیا ہے۔ اسی طرح راقم الحروف کو اُن کی بعد از تقسیم ہند سیاسی حکمتِ عملی سے جو شدید اختلاف ہے وہ صرف قارئین 'میثاق' کے حلقے ہی میں نہیں بلکہ اُس سے کہیں زیادہ وسیع حلقے میں معروف و مشہور ہے، تاہم اُن کے ضمن میں بھی:

راقم کے نزدیک اصل اہمیت اُس اصولی دعوت و تحریک کی ہے جس کے وہ ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۷ء داعی و قائد رہے اور جو اصلاً تسلسل ہے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ہی کی ۱۹۱۲ء تا ۱۹۲۰ء کی دعوت و تحریک کا! اور جس کی امانت کا بارِ گراں اب راقم الحروف اپنے ضعیف و ناتواں شانوں پر محسوس کرتا ہے - اور اس اصولی دعوت و تحریک کی حد تک چونکہ مولانا آزاد کو سند حاصل تھی حضرت شیخ الہندؒ کی لہٰذا راقم اپنے آپ کو ان دو واسطوں سے اصلاً منسلک سمجھتا ہے شیخ الہندؒ حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ!

جہاں تک مولانا حسین احمد مدنیؒ کی زیر قیادت جمعیتِ علماء ہند اور کانگریس میں شمولیت کی بنا پر مولانا آزاد مرحوم کی سیاسی حکمتِ عملی کا تعلّق ہے مجھے اس میں ہرگز کوئی اشتباہ نہیں ہے کہ وہ اصلاً حضرت شیخ الہندؒ ہی کی اختیار کردہ تھی۔ اور مجھے مولانا قاسمی مدظلہٗ کے ان الفاظ سے ہرگز کوئی اختلاف نہیں کہ "وہ مشترکہ جدّوجہد کا منصوبہ شیخ الہندؒ اسارتِ مالٹا سے اپنے ساتھ لائے تھے!" بلکہ مولانا

کی تحریر سے میرے علم میں یہ اضافہ ہوا ہے کہ "تُرکی قائدین نے شیخ کو یہ مشورہ دیا تھا کہ ہندوستانی مسلمان تنہا جدّوجہد کرکے انگریزوں کو ہندوستان سے نہیں نکال سکتے۔ جیسا کہ وہ اب تک ناکام رہے ہیں"[1] بلکہ — اس ضمن میں میں مولانا مدنیؒ کے اُس موقف کو صد فی صد درست سمجھتا ہوں جو انہوں نے اپنی خود نوشت سوانح 'نقشِ حیات' میں پیش فرمایا ہے کہ انگریز کی غلامی سے گلوخلاصی کے لئے ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ جدّوجہد کا راستہ تیرھویں صدی کے مجدّد، مجاہد کبیر حضرت سیّد احمد بریلویؒ کا اختیار کردہ تھا[2] اور اس مسئلے میں جو شدید اور

---

[1] اِن ہی دنوں "بیس بڑے مسلمان" نامی کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے یہ بات بھی نظر سے گذری — اور مجھے اعتراف ہے کہ یہ بھی میرے علم میں اضافہ کا موجب بنی ہے کہ امیر حبیب اللہ خان والیٔ افغانستان نے بھی بعینہٖ یہی مشورہ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کو دیا تھا۔!!

[2] اس ضمن میں بھی راقم کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ضبطِ تحریر میں آجائے تو اچھا ہے — اور وہ یہ کہ ۵۵ — ۱۹۵۶ء میں جب، نقشِ حیات، شائع ہوئی تو مولانا مودودی مرحوم نے اس پر شدید تنقید 'ترجمان القرآن' میں شائع کی۔ راقم اُس وقت جماعت اسلامی کا فعّال رکن ہی نہیں جماعتِ منٹگمری (حال ساہیوال) کا امیر بھی تھا۔ لیکن اُس پر یہ اللہ کا بڑا فضل و احسان ہے کہ وہ اندھا بہرا مقلّد کبھی بھی نہیں رہا۔ چنانچہ راقم نے (بعمر ۲۳، ۲۴ سال) جامعہ رشیدیہ حاضر ہو کر اصل کتاب حاصل کی اور اُس کا مطالعہ کیا اور جب یہ حقیقت سامنے آئی کہ حضرت مدنیؒ کا موقف یہ ہے کہ ہم نے جو سیاسی لائحہ عمل اختیار کیا تھا وہ ہمارے اپنے اجتہاد پر مبنی نہیں تھا بلکہ یہ تو حضرت سیّد صاحبؒ کا اختیار کردہ تھا جسے ہم نے جاری رکھا ہے تو میں نے جماعت اسلامی ساہیوال کے اجتماعِ ارکان میں برملا یہ الفاظ کہے کہ "اس معاملے میں مولانا مودودی سے علمی خیانت کا ارتکاب ہوا ہے اس لئے کہ دیانتداری کا تقاضا ہے کہ یا تو مولانا مدنیؒ کی اس بات اور اس کے لئے جو حوالے انہوں نے پیش کئے ہیں انکو چیلنج کیا جائے — ورنہ اب اگر تنقید کرنی ہے تو حضرت سیّد احمد بریلویؒ پر کریں۔ یہ علمی بددیانتی ہے کہ تنقید میں اُن کا ذکر تک نہ کیا جائے اور ساری جرح مولانا مدنیؒ پر کی جائے!"

جارحانہ تنقید میں مولانا مودودی مرحوم نے جمعیتِ علماء ہند اور عرفِ عام کے مطابق "نیشنلسٹ علماء" پر کیں انہیں میں انتہا پسندی کا مظہر سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک ایک دفاعی حربے کے طور پر "متحدہ قومیت" کے تصوّر کو عارضی طور پر اختیار کر لینا ہرگز نہ کفر تھا نہ شرک، جیسا کہ مولانا مودودی نے اپنی انتہا پسندی کی بنا پر اور اپنی انشاپردازانہ مہارت کے ذریعے اُسے بنا دیا تھا!

اس موضوع پر بھی راقم کی ۱۹۶۷ء کی تحریر کا ایک اقتباس طوالت کے خوف کے علی الرغم ضروری محسوس ہوتا ہے ——— یورپی استعمار سے خلاصی حاصل کرنے کیلئے جو تحریکیں موجودہ صدی کے وسط میں مختلف مسلمان ممالک میں چلیں اُنکے تذکرہ میں راقم نے لکھا تھا (میثاق، اکتوبر، نومبر ۱۹۶۷ء، حال مشمولہ کتاب "سرافگندیم")

"اس ضمن میں ایک اور حقیقت بھی پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ اگرچہ مختلف مسلمان ممالک میں حصولِ آزادی کی تحریکوں کی تقویت کے لئے جن علاقائی یا نسلی عصبیتوں کو استعمال (INVOKE) کیا گیا، انہیں بھی خالص اصولی اور نظری اعتبار سے اسلام کے نظامِ فکر کے ساتھ سوائے تباین و تضاد کے کوئی نسبت حاصل نہیں ہے۔ لیکن عالمِ واقعہ میں اس کے سوا کوئی چارۂ کار موجود نہیں تھا۔ اس لئے کہ اسلام کیساتھ مسلمانوں کا ذہنی و قلبی رشتہ اتنا قوی نہ رہا تھا کہ اسے کسی جاندار اور فعّال تحریک کی اساس بنایا جا سکتا اور حصولِ استقلال کے لئے جس مؤثر مزاحمت (EFFECTIVE RESISTANCE) کی ضرورت ہوتی ہے، اس کی بنیاد خیالی یا جذباتی نہیں بلکہ حقیقی اور واقعی اساسات (CONCRETE FOUNDATION) ہی پر رکھی جا سکتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ترک نیشنلزم کا جذبہ فوری طور پر بیدار نہ ہو گیا ہوتا تو شاید آج ترکی کا نام و نشان بھی صفحۂ ارضی پر موجود نہ ہوتا۔ اسی طرح اسلام سے جتنا کچھ حقیقی اور واقعی تعلق اس وقت مسلمانانِ عرب کو ہے وہ کسے معلوم نہیں۔ اندریں حالات عرب نیشنلزم ہی یورپی سامراج کے چنگل سے نکلنے کی جدوجہد کے لئے واحد موجود (THE ONLY AVAILABLE) بنیاد بن سکتا تھا اور ایک

وقتی ضرورت اور دفاعی تدبیر کی حد تک اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے بشرطیکہ اسے نظامِ فکر کی مستقل اساس کے طور پر قبول نہ کر لیا جائے اور حصولِ آزادی کے عبوری مقصد کی تکمیل کے بعد صحیح اسلامی فکر اور وحدتِ ملّی کے شعور و احساس کو اجاگر کیا جائے۔"

"چنانچہ جمعیتِ علمائے ہند کی سیاسی جدوجہد اسی اصول پر مبنی تھی بلکہ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خودنوشت سوانح 'نقشِ حیات' میں تو ثابت کیا ہے کہ خود مجاہد کبیر حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مسلمانانِ پنجاب کو 'سکھا شاہی' سے نجات دلانے کے بعد اسی اساس پر انگریزوں کے خلاف تحریک چلانے کا ارادہ رکھتے تھے۔"

(میثاق اکتوبر نومبر ۱۹۷۴ء)

البتہ راقم کے نزدیک جیسے جیسے حالات نے کروٹ لی اور صورتِ حال تبدیل ہوئی، قطع نظر اس کے کہ وہ ہندوؤں کی قدیم متعصب ذہنیت کا نتیجہ تھی — یا مسلمانوں کی 'ہزار سالہ' غلامی سے پیدا شدہ انتقامی جذبہ کا شاخسانہ تھی، یا انگریزی سیاست اور اس کی شاطرانہ چال کی پیدا کردہ تھی، بہرحال اس پالیسی پر اُس نظرِ ثانی کی ضرورت تھی جس کی جانب اشارہ حضرت شیخ الہندؒ کے خطبۂ صدارت (۱۹۲۰ء) میں موجود ہے — یعنی

"مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اب تک بہت جگہ عمل اس کے خلاف ہو رہا ہے۔ مذہبی معاملات میں تو بہت لوگ اتفاق ظاہر کرنے کے لئے اپنے مذہب کی حد سے گزر جاتے ہیں۔ لیکن محکموں اور ابوابِ معاش میں ایک دوسرے کی ایذا رسانی کے درپے رہتے ہیں۔ میں اس وقت جمہور سے خطاب نہیں کر رہا ہوں بلکہ میری گذارش دونوں قوموں کے زعماء (لیڈروں) سے ہے کہ ان کو جلسوں میں ہاتھ اٹھانے والوں کی اکثریت اور ریزولیشنوں کی تائید سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے کہ یہ طریقہ سطحی لوگوں کا ہے اور ان کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے نجی معاملات اور سرکاری محکموں میں متعصبانہ رقابتوں کا اندازہ کرنا چاہیئے۔"

(ماخوذ از 'بیس بڑے مسلمان')

اس ضمن میں بھی راقم اب کچھ کہنے کی بجائے اپنی ۱۹۶۷ء کی ایک تحریر کا اقتباس پیش کرنا مناسب سمجھتا ہے تاکہ اُسے کسی وقتی سخن سازی سے تعبیر نہ کیا جائے:

"بدقسمتی سے اس موقع پر مسلمانانِ ہند کے مذہبی طبقوں اور خصوصاً تحریکِ شہیدینؒ اور جماعتِ مجاہدینؒ کے معنوی و روحانی وارثوں نے حالات کے رُخ کو سمجھنے میں سخت غلطی کی اور وہ ہندوستان کی پوری مسلمان قوم کے سوادِ اعظم کے احساسات کا صحیح اندازہ کرنے میں بُری طرح ناکام رہے!! اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کا اصل سبب کیا تھا؟ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا اصل سبب وہ حد سے بڑھی ہوئی انگریز دشمنی ہو جو ان کے لائے ہوئے زندقہ والحاد ـــ اور مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں پر ان کے بے پناہ مظالم سے پیدا ہوئی تھی ـــ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا اصل سبب ان حضرات کی ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی ہو جس کی بنا پر وہ یہ سمجھتے تھے کہ انگریز سے نبٹ لینے کے بعد اپنائے وطن کے مقابلے میں اپنے ـــــــ دین اور اپنے تہذیب و تمدن اور فی الجملہ اپنے قومی تشخص کا تحفظ کچھ مشکل نہ ہوگا۔ بہرحال ہوا یہ کہ ان حضرات نے اپنے لئے یہ راہ متعین کی کہ پہلے ہندوؤں کے ساتھ مل کر غیر ملکی حکمرانوں سے گلوخلاصی کرائی جائے۔ ہندو مسلم معاملات اس کے بعد طے ہوتے رہیں گے۔ جبکہ بحیثیت مجموعی ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے لئے یہ لائحہ عمل طے کیا کہ وہ پہلے ہی سے تحفظات کے حصول کی جدّوجہد کریں گے۔ اور اس امر کی سعی کریں گے کہ وطن اس طور سے آزاد ہو کہ اُس میں اُنکے جملہ حقوق اور فی الجملہ انکے قومی تشخص کے تحفظ کی مکمل ضمانت حاصل ہو جائے۔

اس طرح ہندوستان کی مسلمان قوم کے سوادِ اعظم اور اسکے مذہبی طبقات کے مابین بُعد مزید بڑھ گیا ـــ بلکہ آزادی کی جدوجہد میں یہ دونوں علیحدہ علیحدہ راہوں پر گامزن ہو گئے ـــ

۔ ۔ ۔ اس صورت حال کا سب سے اہم نتیجہ، جس کی جانب بہت کم لوگوں کی نگاہ گئی ہے، یہ نکلا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی قومی تحریک قوم

کے بہترین افراد سے محروم ہو گئی - اب تک قوم کی پوری سیاسی و دینی قیادت جس طبقے کے ہاتھ میں رہی تھی اور جس میں ایک سے ایک بڑھ کر مخلص و بے نفس محنتی و سخت کوش، آزمودہ و تجربہ کار اور ہر اعتبار سے منجھا ہوا اور سرد و گرم چشیدہ سیاسی کارکن موجود تھا وہ قوم سے بے تعلق ہو کر رہ گیا ـــــ (اور کون کہہ سکتا ہے کہ آج خصوصاً پاکستان میں ہماری قومی زندگی جس شدید قحط الرجال سے دوچار ہے اس کا اصل سبب یہی نہیں ہے!)"

(شائع شدہ 'میثاق' مئی ۱۹۶۷ء مشمولہ 'اسلام اور پاکستان' ص ۸-۹)

چنانچہ راقم کے نزدیک اس صدی کے پانچویں دَہے تک حالات کی تبدیلی کے کے پیشِ نظر 'حضرت شیخ الہندؒ کی جماعت' کے لئے صحیح تر طرزِ عمل وہ تھا جو حضرت شیخؒ ہی کے ایک دوسرے شاگرد و رفیق مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اختیار کیا اور جیسا کہ راقم اس سے قبل عرض کر چکا ہے، اب تو حسرت کے ساتھ یہی کہا جا سکتا ہے کہ اگر وہ پالیسی جمعیت علماء ہند نے مجموعی طور پر اختیار کر لی ہوتی تو برِّصغیر کی تاریخ کا رُخ ہی اور ہوتا ـــــ اور آج ہم حیرانی و سرگشتگی کے 'صحرائے تیہ' میں نہ گھوم رہے ہوتے!!

اگرچہ اس اختلافِ رائے کی بنا پر حضرتِ مدنیؒ اور اُنکے جلیل القدر رفقاء پر سبّ و شتم یا اُنکے خلوص و اخلاص پر شک و شبہ یا اُن کی شان میں گستاخی کو میں گناہِ عظیم تصوّر کرتا ہوں - یہی وجہ ہے کہ میں نے 'میثاق' میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی ـــــ مرحوم و مغفور کا وہ 'توبہ نامہ' بھی پوری آب و تاب کے ساتھ شائع کیا تھا جو انہوں نے اپنی اُن گستاخیوں کے ضمن میں حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کی تاکید پر تحریر کیا تھا جو تحریک پاکستان کے عروج کے دَور میں حضرت مدنیؒ کی شان میں اُن سے سرزد ہوئی تھیں - اور خود راقم نے جب ۱۹۷۰ء میں تھانوی حلقے کے ایک بزرگ عالمِ دین کی زبان سے مولانا مدنیؒ اور اُن کے رفقاء کے بارے میں "کانگرسی مولوی" کی پھبتی سُنی تو جو جذباتی ردِّ عمل قلب کی گہرائیوں سے اُبھرا تھا اُسے شائع کر دیا تھا (میثاق، جون، جولائی ۱۹۷۰ء) میں بایں الفاظ:

ان حضرات پر "کانگریسی مولوی" کی پھبتی سن کر خدا جانتا ہے کہ دل خون کے آنسو رونے لگتا ہے۔ اس لئے کہ اس کی اوّلین زد مولانا حسین احمد مدنیؒ ایسے اکابرِ ملّت، مجاہدینِ حرّیت اور زعمائے دین پر پڑتی ہے جن کے سیاسی موقف سے چاہے کسی کو کتنا ہی اختلاف ہو، اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے علم و فضل، تقویٰ و تدین، خلوص و بے نفسی، عزم و ہمّت، جانفشانی و تندہی، قربانی و ایثار اور حلم و تواضع کی کوئی دوسری مثال مسلم ہند کی ماضیٔ قریب کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

مولانا مدنیؒ کی زیارت کا شرف ہماری گناہ گار آنکھوں کو تو حاصل نہیں ہوا لیکن انکی "اُس کرامت" کا مشاہدہ ہم نے بچشم سر کیا ہے کہ کتنے ہی مخلص اور متدین لوگوں کی آنکھوں سے ان کا نام سنتے ہی آنسوؤں کا دریا بہہ نکلتا ہے۔ اور حلقۂ دیوبند کے مدارس کی وہ زیرِ تعلیم نوجوان نسل جس نے مولانا کو نہ دیکھا نہ سنا، ان کی توہین پر مرنے مارنے پر آمادہ ہو جاتی ہے"

"اس سلسلے میں ایک واقعہ بھی ایک مرتبہ مولانا اصلاحی نے سنایا کہ: جن دنوں کانگریس اور مسلم لیگ کی کش مکش زوروں پر تھی اور مولانا مدنیؒ اور ان کے رفقاء تنقید و استہزار کا ہدف بنے ہوئے تھے، ایک روز خبر آئی کہ کچھ لیگی نوجوانوں نے مولاناؒ کے ساتھ نہایت توہین و تذلیل کا معاملہ کیا۔۔۔

ان دنوں دارالاسلام سرنا، پٹھان کوٹ میں عام معمول یہ تھا کہ شام کے وقت ہم سب لوگ اکٹھے سیر کے لئے نہر پر جایا کرتے تھے (گویا یہ ان دنوں کی مرکزِ جماعتِ اسلامی کی شام کی نشست تھی! مدیر) وہاں مولانا مودودی سمیت کچھ لوگوں نے اس خبر پر خوش گپّی کے انداز میں تبصرے کرنے شروع کئے۔ لیکن میں خاموش رہا۔ کچھ دیر بعد مولانا مودودی نے مجھ سے بھی کچھ کہنے کی فرمائش کی تو میں نے کہا۔۔۔ "میں اور کچھ تو نہیں جانتا لیکن یہ ضرور جانتا ہوں کہ جس قوم نے مولانا مدنیؒ ایسے شخص کی توہین کی ہے اس پر یقیناً کوئی بہت بڑی آفت آنے والی ہے!"۔۔۔ اس پر پوری مجلس پر خاموشی سی طاری ہو گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد مولانا مودودی نے کہا کہ "مولانا آخر جو لوگ

قوم کے احساسات وجذبات کا بالکل لحاظ نہ کریں ان کے ساتھ قوم کبھی گستاخی بھی کر گزرے تو کون سی بڑی بات ہے!" اس پر میں نے مزید تو کچھ نہ کہا لیکن اپنے فقرے کو دہرایا: "میں اور تو کچھ نہیں جانتا صرف یہ جانتا ہوں کہ جس قوم نے مولانا مدنیؒ ایسے شخص کی توہین کی ہے اس پر یقیناً کوئی بڑی آفت آنے والی ہے!" - - - - - - - - - - - - - - - -

"ذاتی تقویٰ وتدیّن کے علاوہ —— اب تو ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو ان حضراتؒ کے سیاسی موقف کے بارے میں اپنی رائے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ خود مولانا احتشام الحق تھانوی نے آج سے تقریباً تین سال[1] قبل جامعہ اشرفیہ لاہور میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کچھ ایسے الفاظ کہے تھے کہ: "اب جو حالات پیش آ رہے ہیں ان کو دیکھ کر تو یہ خیال ہوتا ہے کہ تحریک پاکستان کے بارے میں اُن حضرات کی رائے زیادہ درست تھی جو یہ کہتے تھے کہ پاکستان میں فروغ اسلام کو نہیں، فرقِ باطلہ اور الحاد و اباحیت کو حاصل ہوگا"! —— لیکن بات یہاں تک نہ پہنچے تو بھی کم از کم اتنا تو ہونا چاہیے کہ اس وقت مندرّم صدّا میں جو زیادتیاں ایک دوسرے پر ہو گئی تھیں۔ اب کم از کم ان کا اعادہ تو نہ ہو ——

ہم خود اپنا یہ ذاتی احساس بھی اس مقام پر بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتے —— کہ بقیہ تمام معاملات اور قیل وقال ایک طرف کم از کم ہندوستان کے مسلمانوں کے مسئلہ کے اعتبار سے تو کبھی کبھی شدّت کے ساتھ محسوس ہونے لگتا ہے کہ جن لوگوں نے یہ کہا تھا کہ 'پاکستان کی اسکیم سے ہندوستان کے مُسلمانوں کی قوّت جو پہلے ہی تہائی ہے وہ تین حصّوں میں بٹ کر مزید کم ہو جائے گی اور ہندوؤں کی طاقت بالکل یکجا اور مجتمع رہے گی —!' ان کا خیال کس قدر درست تھا!!

اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ جب بھی ہندوستان سے مسلمانوں کے کسی تازہ قتلِ عام کی خبر آتی ہے دوسرے لاکھوں اور کروڑوں حسّاس مُسلمانوں کی طرح راقم الحروف کے دل پر بھی چھریاں چل جاتی ہیں —اور

---

[1] واضح رہے کہ یہ تحریر ۱۹۷۰ء کی ہے۔

نہ صرف یہ کہ یہاں کا سکھ چین کاٹ کھانے کو دوڑنے لگتا ہے۔ بلکہ سیدنا مسیحؑ کی تمثیل کے عین مطابق ہر کھانا ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کا گوشت اور ہر مشروب ان کا خون نظر آنے لگتا ہے۔۔۔!!

ہمیں دوسروں سے تو کوئی گلہ نہیں لیکن حیرت ناک افسوس ہوتا ہے حلقۂ دیوبند ہی کے ان اکابر پر جو نہ صرف درس افتاء بلکہ تلقین و ارشاد کی مسندوں پر رونق افروز ہوتے ہوئے بھی ایسے کٹھور دل واقع ہوئے ہیں کہ کچھ سیاسی یا روپیلی مصلحتوں کی بنا پر اب بھی ان خادمانِ دین و ملت پر "کانگریسی مولوی" ایسی تحقیر آمیز پھبتی کسنے سے باز نہیں رہتے۔!!

(میثاق، جون جولائی ۱۹۶۶ء)

یہ اقتباسات ہماری آج سے لگ بھگ پندرہ برس قبل کی تحریروں کے ہیں اور ان کی طوالت کے باوجود ہم نے انہیں یہاں اس لئے نقل کر دیا ہے کہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ یہ کوئی وقتی 'سخن سازی' والا معاملہ ہے ۔۔۔ ان سے یہ بات بلا شائبۂ شک و شبہ ثابت ہو جاتی ہے کہ مولانا مدنیؒ اور اُنکے رفقاءِ گرامی کی سیاسی حکمتِ عملی سے اختلاف کے باوصف ہمارے دل میں اُن کے خلوص و اخلاص اور اُن کی سیرت و کردار کی عظمت کے بارے میں نہ صرف یہ کہ کوئی شک نہیں رہا بلکہ مثبت طور پر اُن کی علوِ ہمت اور مجاہدانہ کردار کی عظمت کا نقش قائم رہا ہے ۔۔۔

بایں ہمہ راقم کو اعتراف ہے کہ مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہٗ نے مولانا آزاد مرحوم حضرت مدنیؒ اور مولانا حفظ الرحمٰنؒ کی موجودہ بھارت میں اسلام اور مسلمانوں کی جن خدمات جلیلہ کا ذکر فرمایا ہے اس سے راقم کے دل میں ان حضرات کی قدر و قیمت اور محبت و عقیدت میں مزید اضافہ ہوا ہے جس کے لئے راقم مولانا کا ممنون ہے!

---

* تاہم جیسا کہ راقم پہلے عرض کر چکا ہے "جماعت شیخ الہندؒ" کے اس مختصر 'تذکرے' یا صحیح تر الفاظ میں 'اشاریئے' میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا نام اگر سہواً رہ گیا ہے تب تو خیر ورنہ راقم اپنا احتجاج ثبت (REGISTER) کرانا ضروری سمجھتا

ہے ـــــ اس لئے کہ وہ بلاشبہ دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز فرزند اور حضرت شیخ الہندؒ کے منظورِ نظر تلامذہ اور معتمد ساتھیوں میں سے تھے ۔

۱۹۰۸ء میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دارالعلوم کے دورۂ حدیث کے امتحان میں اوّل آئے اور ۱۹۰۹ء ہی میں فتح پوری مسجد دہلی کے عربی مدرسے کی صدر مدرّسی کے عہدے پر فائز ہوگئے ـــ اُس زمانے میں دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ کی زیرِ ہدایت مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم و مغفور نے "جمعیت الانصار" قائم کی ہوئی تھی، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے اُس میں بھرپور حصہ لیا اور اُس کے سالانہ جلسوں میں نہایت وقیع علمی مقالات پیش کئے ۔ ۱۹۱۱ء سے مولانا نے اپنی مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند ہی میں تدریس کی ذمہ داری سنبھال لی ۔ اور اس کے ساتھ ہی گویا حضرت شیخ الہندؒ کے معتمد رفیق کار کی حیثیت بھی اختیار کرلی ۔ چنانچہ اکثر و بیشتر دوروں اور سفروں میں وہ ہی حضرت شیخؒ کی رفاقت اور تقاریر کے ضمن میں نیابت و نمائندگی کی ذمہ داری ادا کرتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ جب ۱۹۱۹ء میں "جمعیت علماء ہند" کی تأسیس ہوئی تو اسکی ورکنگ کمیٹی اور مجلسِ منتظمہ کے لئے علاّمہ عثمانیؒ بھی منتخب کئے گئے ۔ جامعہ ملّیہ کے افتتاح کے موقع پر حضرت شیخ الہندؒ سخت بیمار تھے ۔ چنانچہ مولانا عثمانیؒ ہی نے اُن کے نمائندے کی حیثیت سے خطبۂ صدارت تحریر بھی کیا اور پڑھا بھی ۔ پھر جیسا کہ اس سے قبل بھی ارشارہ کیا جاچکا ہے کہ "ترکِ موالات" کے ضمن میں جب حضرت شیخ الہندؒ نے یہ فرماتے ہوئے کہ "مجھ میں انگریزوں کی نفرت کا جذبہ شدّت لئے ہوئے ہے، مُجھے اپنے نفس پر اطمینان نہیں ہے کہ حدود کی رعایت ہوسکے گی ۔ اور حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ "لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَنْ لَّا تَعْدِلُوا" (سوانحِ قاسمی بحوالہ معاصر "الخیر" بابت فروری ۸۵ء) اپنے تین شاگردوں یعنی : مفتی کفایت اللہؒ، سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو فتوے لکھنے کا حکم دیا اور امتثالِ امر میں ان تینوں حضرات نے اپنے اپنے انداز میں فتوے تحریر کیا تو جس کی تحریر حضرت شیخؒ کو سب سے زیادہ پسند آئی وہ علاّمہ عثمانیؒ ہی کی تھی ـــــ چنانچہ حضرت شیخ کے نمائندے کی حیثیت سے یہ "خطبہ" مولانا عثمانیؒ ہی نے جمعیت علماءِ ہند کے اجلاس ۱۹۲۰ء میں پڑھ کر سنایا ۔

ـــــ اور راقم کے نزدیک تو ان سب چیزوں سے بھی کہیں بڑھ کر ہے یہ حقیقت کہ حضرت شیخ الہندؒ کے "ترجمۂ قرآن" کے حاشیہ پر "فوائدِ عثمانیؒ" کی اشاعت نے ابدالآباد تک کے لئے حضرت شیخؒ کے نام نامی اور اسمِ گرامی کے ساتھ مولانا عثمانیؒ کے نام کو لازم و ملزوم کے درجے میں چسپاں کر دیا ہے۔

ان تفسیری فوائد کے بارے میں، جو بلاشبہ اپنی جگہ مکمل تفسیر کا درجہ رکھتے ہیں، خود حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خیالات ملاحظہ ہوں:

"اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے علامہ زمان، محقق دوران حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی زید مجدہم کو دنیائے اسلام کا درخشندہ آفتاب بنایا ہے۔ مولانائے موصوف کی بے مثل ذکاوت، بے مثل تقریر، بے مثل تحریر، عجیب غریب حافظہ، عجیب تبحر وغیرہ کمالاتِ علمیہ ایسے نہیں ہیں کہ کوئی شخص منصف مزاج اس میں تامل کر سکے۔ قدرتِ قدیمہ نے مولانا شبیر احمد صاحب موصوف کی توجہ تکمیلِ فوائد اور ازالۂ مغلقات کی طرف منعطف فرما کر تمام عالمِ اسلامی اور بالخصوص اہلِ ہند کے لئے عدیم النظیر حجتِ بالغہ قائم کر دی ہے۔ یقیناً مولانا نے بہت سی ضخیم تفسیروں سے مستغنی کر کے سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہے۔"

(قرآن حکیم تفسیر عثمانی۔ مدینہ بجنور (بھارت)

اس پر مستزاد ہے علومِ حدیث و فقہ اور علم الکلام میں اُن کا مقام و مرتبہ؛ چنانچہ صحیح مسلمؒ کی شرح "فتح الملہم" کے بارے میں بیہقیٔ وقت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری کا فرمانا ہے کہ:

"یقیناً اپنے زمانہ کے علامہ مولانا مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی کہ اس زمانہ کے محدث و مفسر و متکلم ہیں اور احقر کے علم میں کوئی شخص اس کتاب (مسلم) کی خدمت ان سے زیادہ بہتر اور برتر نہ کر سکا۔ اس کی خدمت (شرح) کی طرف متوجہ ہو کر انہوں نے اہلِ علم کی گردنوں پر احسان کیا ہے۔"

اور بحیثیت متکلمِ اسلام، مولانا عثمانیؒ کا درجہ کیا تھا اُس کے ضمن میں کفایت کریگی۔ مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہٗ کی یہ شہادت کہ:

"جن حضرات کو حضرت موصوف سے علمی استفادے کا موقعہ ہوا ہوگا، انہیں اس میں شک نہیں ہوسکتا کہ ذہانت و ذکاوت، فکر کی دقت و متانت اور دماغ کے سلجھاؤ میں وہ آپ ہی اپنی نظیر تھے۔ اسی طرح اپنے مدعا کو بہترین اسلوب اور نہایت دلنشین انداز میں بیان کرنے اور دقیق سے دقیق علمی حقیقتوں کو آسان کرکے سمجھا دینے کا جو خاص ملکہ اللہ تعالیٰ نے حضرتِ موصوف کو عطا فرمایا تھا، وہ ان کے لئے ان کے رب کا خاص عطیہ تھا۔

ایک مبصر ناقد نے مولانا کی بعض تقریریں سُنکر ایک زمانہ میں کہا تھا اور بالکل صحیح کہا تھا کہ جب مولانا غیبی حقیقتوں کو دلیلوں اور مثالوں سے سمجھانے اور منوانے کی کوشش کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غیب اب شاید غیب نہیں رہے گا بلکہ شہود بن کر سامنے آجائے گا۔"

(الفرقان لکھنؤ، بھارت، دسمبر ۴۹ء)

تو اس سب کے باوصف کیا صرف اس لئے کہ مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی سیاسی حکمتِ عملی سے کلیتہً اتفاق نہ کرسکے اور اگرچہ وہ ۱۹۴۶ء تک جمعیتِ علماءِ ہند کی مجلسِ عاملہ کے رکن رہے لیکن اسی اختلافِ رائے (اور ہوسکتا ہے کہ اس میں مزاج و افتادِ طبع کے فرق یا بعض ذاتی نوع کی شکایتوں کو بھی دخل حاصل ہو!) کی بنا پر ۱۹۲۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے تعلق منقطع کرکے ڈابھیل چلے گئے ـــــ اور بالآخر اپنے سیاسی موقف کی وضاحت اور اُس کے لئے بالفعل کام کرنے کے لئے ۱۹۴۵ء میں 'جمعیت علماءِ اسلام' کا ایک جُداگانہ پلیٹ فارم اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے ـــــ اُن کے نام نامی کو "جماعتِ شیخ الہندؒ" سے خارج کردینا قرینِ انصاف ہوگا؟

بہرحال راقم الحروف کا تو حضرت شیخ الہندؒ کی شخصیت سے ابتدائی تعارف ہی تفسیری فوائد کی وساطت سے علامہ عثمانیؒ ہی کے ذریعے سے ہوا تھا اور راقم اپنی گردن پر ایک احسانِ عظیم سمجھتا ہے شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا کہ علامہ اقبال مرحوم کے اشعار سے ایک

مبہم سے جذبۂ ملّی اور 'میلان الی القرآن' کے حصول — اور ابتداءً مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم اور مولانا امین احسن اصلاحی کی تصانیف اور بعدازاں مولانا مودودی کی 'تفہیم القرآن'، اور مولانا اصلاحی کی 'تدبرِ قرآن' کے ذریعے معانیٔ قرآن کے ساتھ ابتدائی تعارف کے بعد جب راقم نے بھی آزادانہ طور پر علم و حکمتِ قرآنی کے بحرِ ذخّار میں غوطہ زنی شروع کی تو اس پورے عرصے میں میرا 'عروۃ وثقیٰ' ترجمۂ شیخ الہندؒ اور حواشیٔ شیخ الاسلامؒ ہی رہے ہیں۔ جنہوں نے مجھے بفضلہٖ تعالیٰ نئی نکتہ طرازیوں اور دور دراز کی تاویلوں سے حفاظت میں رکھا ہے۔

اور اس اعتبار سے بھی میں اپنے آپ کو بواسطۂ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ منسلک اور متوسّل سمجھتا ہوں شیخ الہندؒ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ سے!

اس موضوع پر اسقدر طولِ کلام سے راقم الحروف نے اس لئے کام لیا ہے کہ جیسا کہ مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہٗ نے بھی فرمایا — اور راقم بھی عرض کر چکا ہے راقم کو یقین ہے کہ چودھویں صدی ہجری کے مجدّد تھے حضرت شیخ الہندؒ! اور اُنکی جامعیت کبرائی کے مظہر اتم ہیں اُن کے تلامذہ بحیثیتِ مجموعی!! اور اگرچہ اُن میں سے کوئی بھی ان کی سی جامعیت کا مظہر تو نہ تھا تاہم اُن میں سے ہر ایک نے برصغیر پاک و ہند کی ماضیٔ قریب کی تاریخ پر نہایت گہرا اثر ڈالا ہے۔ اور پاکستان اور ہندوستان کے موجودہ مسلمان معاشرے میں مختلف عنوانات کے ذیل میں اور مختلف تحریکوں اور تنظیموں میں منقسم صورت میں جو بظاہر ایک دوسرے سے بہت مختلف بلکہ متضاد نظر آتی ہیں درحقیقت اثرات پھیلے ہوتے ہیں حضرت شیخ الہندؒ ہی کی عظیم ذاتِ جامع الصفات کے، بالکل اُس شان سے جو علامہ اقبال کے ان اشعار میں سامنے آتی ہے کہ

اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے ۔۔۔ چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرزِ فغاں میری!
اڑائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے ۔۔۔ چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

اور اب اصل ضرورت اس امر کی ہے کہ اس ظاہری افتراق و انتشار میں تالیف

واجتماع کی صورت پیدا کی جائے ـــ اور ان بکھرے ہوئے ذرات کو از سرِ نو سمیٹ کر تعمیرِ نو کی سعی کی جائے!! اس شان کے ساتھ کہ ؎

دھرتی کے کونوں کھدروں میں   پھر اپنے لہو کی کھاد بھرو!
پھر مٹی سینچو اشکوں سے   پھر اگلی رُت کی فکر کرو!!

اور اسی کے لئے کمر ہمّت کسی ہے حضرت شیخ الہندؒ کے اس ادنیٰ عقیدتمند ـــ اور اُن کے علم و فضل اور جذبہ وجوشِ عمل کے اس ادنیٰ خوشہ چین نے بمصداقِ ؎

اخلاصِ عمل مانگ نیاگانِ کہن سے
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

چنانچہ راقم خدا کو گواہ بنا کر عرض کرتا ہے کہ راقم کے دل میں بلا تکلف و تصنّع از خود محبت وعقیدت پیدا ہو جاتی ہے ہر اُس شخص سے جس کا ادنیٰ سے ادنیٰ تعلق رہا ہو حضرت شیخ الہندؒ سے ـــ یا جسے ادنیٰ سے ادنیٰ نسبت حاصل ہو اُن کی ذاتِ گرامی سے! اور راقم ہاتھ باندھ کر عرض کرتا ہے جملہ متوسّلان حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں کہ خدارا! وقت کی پکار کو کھلے اور متوجّہ کانوں اور کشادہ و حاضر دلوں سے سُنیں، بمصداقِ الفاظِ قرآنی :

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ
أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ۝

رہا مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہ، کی تحریر کے آخری حصے میں وارد شدہ پند و نصائح کا معاملہ تو اُن کے ضمن میں گزارش ہے کہ راقم نے جب مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی صاحب کے نام خط میں یہ لکھا کہ :

"کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ علی گڑھ اور دیوبند کے مابین جس خلیج کو ابتداء ہی میں پاٹ دینے کی کوشش کی تھی حضرت شیخ الہندؒ نے، وہ اس کے بعد روز بروز وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی اور مسلمانانِ برّصغیر کی ملّی اور قومی زندگی کا اصل دھارا علی گڑھ کے زیرِ اثر آتا چلا گیا ـــ اور علماء کی حیثیت زندگی کی اصل

منجدھار سے ہٹی ہوئی ایک پتلی سی دھار کی ہوتی چلی گئی — تا آنکہ اب وہ اپنے محدود دائرۂ اثر کے جزیروں میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور یہ جزیرے بھی دن بدن "نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا" کے مصداق روز بروز مختصر سے مختصر تر ہوتے چلے جا رہے ہیں ؟"

"پھر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ علماء کرام جمعہ وجماعت، درس وخطابت، افتاء وارشاد ایسی اہم خدماتِ جلیلہ اور قال اللہ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداؤں اور دینی علوم کو زندہ رکھنے کے عظیم کارنامے — اور دینِ حق اور شریعتِ حقہ کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں کے خلاف مساعیٔ عظیمہ کے باوصف غلبہ واقامتِ دین کے مثبت مقصد کی جانب کوئی قابلِ لحاظ اور مؤثر اجتماعی تحریک نہیں چلا پا رہے ہے — علماءِ دیوبند کے ایک حلقے سے تبلیغِ دین کے عنوان سے جو عظیم حرکت شروع ہوئی، اس میں شک نہیں کہ وسعت کے اعتبار سے اسکی کوئی نظیر حال میں تو کیا ماضی میں بھی نہیں ملتی — لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ وہ بھی انفرادی اصلاح کے مرحلے سے آگے بڑھ کر کسی خطۂ ارضی پر دینِ حق کے واقعی قیام ونفاذ کے لئے کوئی راست اقدام کرنے کے بارے میں سوچنے پر بھی آمادہ نہیں !"

تو اس سے مقصود نہ کسی کی دلآزاری تھی، نہ توہین وتنقیص نہ طنز وتعریض، بلکہ صرف اور صرف صورتِ واقعہ کا وہ کما حقہٗ، بیان واظہار تھا — تاکہ سینوں میں درد اور دلوں میں سوز وگداز پیدا ہو — ورنہ واقعہ یہ ہے کہ راقم کے قلب کی گہرائیوں میں حد درجہ قدر ووقعت اور کمالِ محبت وعقیدت موجود ہے اُن علماء کرام کے لئے بھی جو شب وروز قال اللہ تعالےٰ اور قال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مصروف ومشغول رہتے ہیں یا جمعہ وجماعت اور وعظ وخطابت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں اور اُن مربی اور مزکی حضرات کے لئے بھی جو لوگوں کے نفوس کے تزکیے، قلوب کی تنویر اور رُوح کے تجلیے میں منہمک رہتے ہیں — رہی جماعتِ تبلیغی، تو یہ تو راقم عرض کر ہی چکا ہے کہ اسے بھی راقم حضرت شیخ الہندؒ ہی کی جماعت کی ایک شاخ سمجھتا ہے، مزید برآں راقم کے قلب وذہن میں اس کے نقل وحرکت کی وسعت اور اس کے اصحابِ عزم وہمت کے خلوص واخلاص

کے احساس و شعور کی کوئی کمی نہیں ——— اور آخری بات یہ کہ راقم اللہ کے فضل و کرم کے پورے احساس و ادراک اور اس پر اُس کی حمد و شکر کے ساتھ اپنا یہ مشاہدہ، عرض کر رہا ہے کہ متعدد گوشوں اور مختلف واسطوں سے یہ اطلاعات مل رہی ہیں کہ اب اس حلقے میں بھی جہاد و قتال کی باتیں ہو رہی ہیں اور آخری منزلِ مقصود کے طور پر غلبہ و اقامتِ دین ہی کا ذکر ہو رہا ہے — راقم کیلئے یہ اطلاعات حد درجہ حوصلہ افزا اور اُمید بخش ہیں اور ان سے راقم کی اس توقع کو بہت تقویت حاصل ہوئی ہے کہ ان شاء اللہ خدمتِ دین کے یہ قافلے جلد ایک دوسرے سے متحد اور ایک ہی عظیم تر تنظیم و تشکیل میں ضم و مدغم ہو جائیں گے اور پھر اللہ نے چاہا تو وہ دن دُور نہیں رہے گا جب:

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش — اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک — بزمِ گل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود — پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں — محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

یعنی: "وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ"

وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيز

پس نوشت

راقم الحروف اپنی اس تحریر کو مکمل کر کے حیدرآباد سندھ اور کراچی کے آٹھ روزہ دورے پر روانہ ہو گیا تھا۔ اُمید تھی کہ واپسی تک پرچہ کم از کم پریس میں جا چکا ہوگا لیکن خوشنویسن صاحب کی علالت کے باعث پرچے کی تکمیل میں تاخیر ہو گئی۔ اس اثناء میں ایک مکتوب مولانا اخلاق حسین قاسمی مدظلہ کا دہلی سے موصول ہوا جس میں انہوں نے اپنی اُسی تحریر کے بارے میں ہندوستان کے علماء کا ایک مجموعی تاثر اور بالخصوص مولانا

افتخار احمد فریدی مدظلہٗ کے خط کا اقتباس درج فرمایا ہے جس کے بارے میں تفصیلی گفتگو راقم نے اپنی مندرجہ بالا تحریر میں کی ہے ۔ مولانا تحریر فرماتے ہیں :

گرامی قدر ڈاکٹر صاحب سلام مسنون

ماہ جنوری کا میثاق ملا، بندہ کا مضمون ہندوستان کے علماء کو پسند آیا، اسی کے ساتھ آپ کی وسیع النظری اور اخلاص کی لوگوں نے تعریف کی کہ آپ نے مجھ ناچیز کی تنقید اور اختلاف رائے کو گوارا فرمایا ——— مراد آباد کے مولانا افتخار فریدی صاحب کے پاس میثاق آتا ہے ۔ موصوف نے لکھا ہے ۔

"حق تعالےٰ ڈاکٹر صاحب سے قرآن حکیم کی خدمت لے رہے ہیں ۔ اُن کے لئے آپ کی (مجھ ناچیز کی) رفاقت بہت مناسب ہے ۔ میدان میں کام کرنے والوں کی اس طرح نگرانی کرنا تریاق کے حکم میں ہے ۔"

اگر گنجائش ہو تو ۵۰ عدد پرچے ڈاک سے مجھے ارسال کر دیں تاکہ میں ہندوستان سے نکلنے والے جماعتی رسائل کو بغرض اشاعت ارسال کر دوں ——— چند کاپیاں اپنے مضمون کی فوٹو اسٹیٹ کرا کر بھیج رہا ہوں لیکن پورا پرچہ جو اثر کریگا وہ صرف میرے مضمون سے نہیں ہوگا ۔

تمام رفقاءِ کرام کی خدمت میں سلام مسنون ۔

اخلاق حسین قاسمی
۲۲ جنوری ۸۵ء

راقم کو اُمید واثق ہے کہ مولانا موصوف اور حضراتِ علماء کرام میری ان گذارشات پر خوشدلی اور وسعتِ قلب کے ساتھ غور فرمائیں گے ——— اور اپنی آراء سے نوازیں گے ۔

——— خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ

مدیر "الفرقان" لکھنؤ کی تالیف

"مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگذشت اور اب میرا موقف"

کا پہلا باب

تحریک خلافت اور اس کے اثرات

مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کی یہ تحریر راقم الحروف کی نگاہ سے اس وقت بھی گذری تھی جب یہ اوّلاً (لگ بھگ پانچ سال قبل) "الفرقان" میں شائع ہوئی۔ بعد ازاں جب یہ کتابی شکل میں شائع ہوئی تب بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس ماہ جب راقم اپنی تحریر "حضرت شیخ الہندؒ کی جماعت" کا مسودہ کاتب صاحب کے حوالے کر کے کراچی گیا تو وہاں اتفاقاً پھر مولانا کی تالیف دیکھنے میں آئی اور محسوس ہوا کہ اس کا پہلا باب برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی تاریخ کے اُسی دور کے سیاسی و معاشرتی اور دینی و مذہبی پس منظر کو نکھار کر سامنے لاتا ہے جس کے بعض اعاظم رجال کا میری تحریر میں ذکر آیا ہے —— چنانچہ اس کی اشاعت ان شاء اللہ قارئین "میثاق" کی دلچسپی کا موجب بھی ہوگی — اور خود میری تحریر میں اپنی کج بیانی کے باعث جو ابہام یا خلا رہ گیا ہے اسے بھی پُر کرے گی — اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یورپ کی پہلی جنگ عظیم جو ۱۹۱۴ء سے شروع ہو کر ۱۹۱۸ء پر ختم ہوئی تھی، یاد ہے کہ اس کے خاتمہ تک ملک کی فضا ایسی تھی کہ عام آدمی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی دن ایسا بھی آئے گا کہ یہاں انگریزوں کی حکومت نہیں رہے

گی، یا اس کے خلاف کوئی تحریک ہی اٹھ سکے گی ـــ پھر اس جنگ ہی کے نتیجہ میں وہ حالات پیدا ہوئے جو ہندوستان میں "تحریکِ خلافت" برپا ہونے کا سبب بنے جس نے چند ہی مہینوں میں ہندوستان میں خاص کر ہندوستانی مسلمانوں میں وہ انقلاب برپا کر دیا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا ـــ خلافت کی تحریک اور آزادئ ہند کی تحریک دونوں ساتھ چل رہی تھیں، قیادت بھی دونوں کی مشترک تھی، مولانا محمد علی، شوکت علی جس طرح تحریک خلافت کے قائد و علمبردار تھے اسی طرح تحریک آزادی کے بھی، اور گاندھی جی جس طرح تحریک آزادئ ہند کے لیڈر تھے اسی طرح تحریک خلافت کے بھی۔ پروگرام بھی دونوں تحریکوں کا ایک ہی تھا، جس کا اہم نکتہ تھا، انگریزی سرکار اور اس سے تعلق رکھنے والے اداروں سے عدم تعاون اور تا امکان انگریزی مصنوعات کا بھی بائیکاٹ ـــ ہندو اور مسلمان دونوں پورے اشتراک بلکہ اتحاد کے ساتھ تحریک چلا رہے تھے لیکن مسلمانوں کے جذباتی مزاج، بے پناہ جوش و خروش اور مسئلہ خلافت کی خاص مذہبی نوعیت نے تحریک پر اسلامی رنگ غالب کر دیا تھا، ـــ اللہ اکبر، ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترک نعرہ تھا، حد یہ تھی کہ بہت سے ہندو لیڈر جس طرح آزادئ ہند کے موضوع پر تقریر کرتے تھے اسی طرح خلافت کے مسئلہ پر بھی (جو مسلمانوں کا خالص مذہبی مسئلہ تھا) بالکل مسلمانوں کے انداز میں (بلکہ ایک صد تک مولویانہ انداز میں) تقریریں کرتے تھے، ہمارے ضلع مراد آباد میں، میرے وطن سنبھل سے بالکل قریب، ایک چھوٹا سا قصبہ سرسی ہے وہاں کے ماسٹر چند و لال (جنہوں نے تحریک ہی کی وجہ سے اسکول کی ملازمت سے استعفیٰ دیدیا تھا) بڑے اچھے مقرر تھے، ان کی تقریروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "اَخْرِجُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی مِنْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ" بالکل صحیح الفاظ میں اور صحیح اعراب کے ساتھ اُن کی زبان سے بار بار سُننا اچھی طرح یاد ہے ـــ الغرض اس وقت ہندوستان میں انگریزی حکومت کے خلاف جو تحریک مشترکہ طور پر چل رہی تھی، اس پر اسلامی

(حاشیہ صلا پر)

رنگ ایسا غالب تھا جس کا وہ لوگ تصوّر بھی نہیں کر سکتے جنھوں نے وہ منظر، اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

جو دو تین سال "تحریکِ خلافت" کے خاص عروج و شباب کے تھے (تقریباً ۲۳-۱۹۲۲ء) اُس زمانہ میں میرا قیام ایک طالب علم کی حیثیت سے ضلع اعظم گڑھ کے مشہور قصبہ مئو میں تھا میرے خاص استاذ و مُربّی حضرت مولانا کریم بخش سنبھلیؒ (جن سے کچھ قرابت کا بھی تعلق تھا) مئو کی مشہور دینی درس گاہ "دارالعلوم" میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے) مجھے تعلیم و تربیت کے لئے ان کے سپرد کر دیا گیا تھا، اس وجہ سے اس زمانہ میں میرا قیام مئو میں تھا ــــ یوں تو ملک کے سب ہی حصّوں میں تحریکِ خلافت کا زور شور تھا لیکن مئو کا جو حال تھا وہ شاید ہی ہندوستان کے کسی دوسرے بڑے یا چھوٹے شہر کا رہا ہو۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں اسلامی حکومت قائم ہو گئی ہے ــ چونکہ تحریک کے پروگرام میں سرکاری عدالتوں کا بائیکاٹ بھی شامل تھا، اس لئے خلافت کمیٹی نے اپنی عدالتیں بھی قائم کی تھیں۔ یاد آتا ہے کہ مئو کے معمّر بزرگ شاہی جامع مسجد کے امام مولانا البشیر اللہ صاحب اور دارالعلوم دیوبند کے فاضل مولانا محمد ضمیر صاحب اور مولانا عبداللہ شائق مرحوم جو ایک بہت تیز اور ذی استعداد المحدیث عالم تھے) اس عدالت کے قاضی (جج) تھے۔ ہر قسم کے مقدمات اور نزاعات مسلمانوں کے بھی اور غیر مسلموں کے بھی اسی عدالت میں آتے تھے اور ان کے فیصلے کئے جاتے تھے اور فریقین بلا چون وچرا ان فیصلوں کو مانتے تھے مسلمانوں میں بعض آوارہ مزاج لوگ تاڑی پیتے تھے (جو ایک طرح کی شراب ہے) خلافت کے رضاکار جو پولیس والی خدمات بھی انجام دیتے تھے ــــ ان کو پکڑ لاتے اور عدالت کے حکم سے ان کے کوڑے لگائے جاتے اور کوئی سرکشی اور سرتابی کا مظاہرہ نہیں کرتا تھا۔ ــ مئو میں سرکاری تھانہ اور اس طرح کے دوسرے سرکاری ادارے اور محکمے موجود تھے لیکن اس عرصہ میں ان لوگوں کے لئے گویا کوئی کام نہیں تھا ــــ عوام کے اخلاق و کردار پر بھی غیر معمولی اثر پڑا تھا۔ جرائم اور لڑائی جھگڑے بڑی حد تک ختم ہو گئے تھے، کم از کم مئو کا

تو یہی حال تھا کہ وہ حقیقی معنی میں دار الامن بلکہ ایک طرح کا "دار الاسلام" بن گیا تھا۔
یہ فضا جیسا کہ عرض کیا گیا قریبًا دو تین سال قائم رہی، اس کے بعد جب ۱۹۲۳ء میں مصطفیٰ کمال پاشا نے الغاءِ خلافت کا فیصلہ کر دیا تو تحریک کی بنیاد ہی ختم ہوگئی — اسی زمانے میں ملک میں بھی کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے جن کے نتیجہ میں اس فضا کا خاتمہ ہو گیا، لیکن اس "تحریکِ خلافت" نے بعض بہت غیر معمولی اثرات چھوڑے، ان میں سے ایک یہ کہ عوام تک کے قلوب میں انگریزی حکومت کی مخالفت بلکہ دشمنی رچ بس گئی اور اس کا خوف دلوں سے بالکل نکل گیا، اور ہم جیسے لوگ بھی "اپنی حکومت" اور کم از کم اس فضا کا خواب دیکھنے لگے جو تحریکِ خلافت میں قائم ہو گئی تھی اور راقم سطور نے مئو میں دیکھی تھی۔

دار العلوم دیوبند کی طالب علمی اور اس کے بعد جمعیۃ العلماء سے وابستگی

جیسا کہ اوپر عرض کیا، یہ میری طالب علمی کا زمانہ تھا اس کے بعد تعلیم کے آخری دور میں دو سال میرا قیام دار العلوم دیوبند رہا، (واضح رہے کہ یہ اب سے قریبًا ۶۰ سال پہلے کا دار العلوم دیوبند تھا، جب کہ حضرت شیخ الہندؒ کی وفات پر ۳/۴ سال ہی گزرے تھے۔) تحریکِ خلافت نے جو جذبات پیدا کئے تھے یہاں کی فضا نے ان کی آبیاری کی اور ان کو اور مستحکم کیا۔ "خلافت تحریک" ختم ہو چکی تھی، ان جذبات کو کسی درجہ میں غذا دینے والی مسلمانوں کی جماعت "جمعیۃ العلماءِ ہند" ہی میدان میں رہ گئی تھی اور "دار العلوم" میں تعلیم پائے ہوئے ہم جیسے لوگ اپنے اکابر کے تعلق سے اس کو اپنی جماعت سمجھتے اور اس سے اپنا رشتہ جوڑتے تھے — راقم سطور کی بھی اسی سے وابستگی رہی۔

اُس وقت کی جمعیۃ العلماء

اس وقت وہ حقیقی معنی میں جمعیۃ العلماء تھی، یعنی صرف علما ہی اس کے ارکان اور عہدہ دار ہو سکتے تھے، سیاسی پارٹیوں کی طرح کی عام ممبر سازی اور الیکشن کا طریقہ اس وقت تک نہیں اپنایا گیا

تھا۔

اگرچہ ہماری جماعت دیوبند کے علاوہ دوسرے طبقوں اور حلقوں کے علماءِ کرام مثلاً مولانا ابوالکلام آزاد، حضرات علماء اہلحدیث، علماء فرنگی محل، علماء بدایوں مولانا آزاد سبحانی، مولانا نثار احمد کان پوری، مولانا فاخر الہ آبادی (مولانا احمد رضا خاں صاحب[1] بریلوی کے خلفاء میں سے) مولانا مختار احمد میرٹھی۔ ان کے بھائی مولانا نذیر احمد خجندی مولانا عبدالعلیم میرٹھی (پاکستان کے مولانا نورانی میاں کے والد ماجد مرحوم) وغیرہ بھی اس وقت اچھی خاصی تعداد میں "جمعیۃ" میں شامل تھے اور وہ حضرات جمعیۃ کے ذمہ دارانہ عہدوں پر تھے لیکن ارکان اور کارکنوں میں غالب اکثریت جماعت دیوبند ہی کے علماء کی تھی ـــــ اسی دور کا یہ لطیفہ مشہور ہے کہ کسی موقع پر مولانا عبدالماجد بدایونی مرحوم نے (جو مسلکاً بدایونی حنفی تھے) مولانا ابوالکلام آزاد سے (جو سلفی المسلک تھے) بطور شکایت کے کہا کہ ہماری "جمعیۃ" کا نام تو "جمعیۃ العلمائے ہند" ہے لیکن واقعہ میں یہ جمعیۃ العلمائے دیوبند بنتی جارہی ہے۔ تو مولانا آزاد نے اپنے خاص انداز میں فرمایا کہ میرے بھائی! ہندوستان میں جب بھی جمعیۃ العلماء بنے گی تو اس کی ہیئت ترکیبی یہی ہوگی، کیونکہ علماء تیار کرنے کا کام یہاں دیوبندی نے کیا ہے تو جب علماء کو جمع کیا جائے گا تو انھیں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اگر ہم نے آپ نے یہ کام کیا ہوتا تو ہماری تعداد زیادہ ہوتی۔

آزادی کی جدّوجہد میں کانگرس کے ساتھ اشتراکِ عمل

ملک کی آزادی کی جدّوجہد میں "انڈین نیشنل کانگرس" کے ساتھ اشتراکِ عمل کا جو اصول تحریکِ خلافت کے دور میں اپنایا گیا تھا "جمعیۃ العلماء" بعد میں بھی اس پر برابر قائم رہی۔ اور آزادی حاصل کرنے کے لئے اس نے اس کو ضروری اور ناگزیر سمجھا لیکن

---

[1] مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی، تحریک خلافت کے سخت مخالف تھے انھوں نے اس سلسلہ میں حسب عادت متعدد رسالے بھی لکھے تھے لیکن مولانا مختار احمد میرٹھی وغیرہ ان کے بعض خلفاء نے اس مسئلہ میں اُن سے تو گویا بغاوت کردی تھی۔ نعمانی

آزادی کے بارے میں جمعیتہ کا خاص تصور

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ ملک کی آزادی کے بارے میں "جمعیتہ العلماء" کا ایک خاص تصور تھا جو اس دور کے "جمعیتہ" کے اجلاسوں کے خطباتِ صدارت کے اوراق میں محفوظ ہے اور آج بھی دیکھا جا سکتا ہے (خاص کر حضرت مولانا محمد سجاد نائب امیر شریعت بہار کے اجلاس مراد آباد کے خطبۂ صدارت میں اور حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے اجلاس کلکتہ کے خطبۂ صدارت، اور حضرت مولانا محمد انور شاہؒ کے اجلاسِ پشاور کے خطبۂ صدارت میں) اور جمعیتہ کے اجلاسوں کی تجاویز میں ــــ مجھے یاد ہے کہ اُس زمانہ کے جمعیتہ العلماء کے دستور میں **مقصد و نصب العین** کے تحت غالباً پہلی ہی دفعہ کے الفاظ یہ تھے "**شرعی نصب العین کے مطابق ہندوستان کی مکمل آزادی**"۔

بہرحال ملک کی آزادی کے بارے میں جمعیتہ العلماء کا ایک خاص تصور تھا، اور اسی تصور کی بنا پر اس کے اکابر و رہنما آزادی کی جدوجہد کو اپنے لئے جہاد فی سبیل اللہ سمجھتے تھے اور اسی نیت سے اس کے راستہ میں قربانیاں دیتے تھے۔

شدھی سنگٹھن کی تحریک کا دور

تحریک خلافت کے اضمحلال اور پھر خاتمہ کے بعد کئی برس تک بعض ایسے اسباب کی وجہ سے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، انگریزی حکومت کے خلاف جدوجہد کا محاذ ٹھنڈا رہا تھا۔ اُس زمانہ میں آریہ سماجیوں کی اٹھائی ہوئی شدھی سنگٹھن تحریک کے نتیجہ میں ہندو مسلم اتحاد بھی درہم برہم ہو گیا اور دین کی فکر رکھنے والے مسلمانوں کو دین کی حفاظت کے لئے اس تحریک کے جوابی اقدامات کی طرف متوجہ ہونا پڑا، اس دور میں جمعیتہ العلماء کی بھی مساعی زیادہ تر اسی شعبہ کی طرف مصروف رہیں۔ اسی زمانہ میں "جمعیتہ العلماء" نے اپنا اخبار "الجمعیتہ" نکالنے کا فیصلہ کیا۔ مولانا مودودی اس کے اڈیٹر تھے اور وہ ان کی نوجوانی کا زمانہ تھا۔ یہ عاجز سب سے پہلے "الجمعیتہ" ہی کے ذریعہ ان کے نام

سے آشنا ہوا۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، اس زمانہ میں انگریزی حکومت کے خلاف جدّ و جہد کا محاذ ٹھنڈا تھا، کانگرس کی طرف سے بھی کوئی تحریک جاری نہیں تھی۔

۱۹۳۰ء سے جنگ آزادی کا پھر آغاز

۱۹۳۰ء میں کانگرس نے انگریزی حکومت کے خلاف پھر آزادی کی جنگ شروع کی۔ جمعیۃ العلماء نے بھی اپنے امروہہ کے اجلاس میں اس جنگ میں کانگرس کے ساتھ اشتراک عمل کا فیصلہ کیا اور وہ پھر کانگرس کے ساتھ جنگ کے میدان میں آگئی۔

اس دور میں میرا حال اور مشاغل

عرض کیا جا چکا ہے کہ راقم سطور بھی جمعیۃ العلماء سے وابستہ تھا۔ میری یہ وابستگی اگرچہ ذہنی اور فکری لحاظ سے بہت عمیق اور راسخ تھی اور میں ملک کی آزادی کے سلسلہ میں اس کی جدّ و جہد اور قربانیوں کو پورے یقین و اطمینان کے ساتھ "فی سبیل اللہ" ہی جانتا اور سمجھتا تھا لیکن یہ واقعہ ہے کہ اس کی اس سیاسی جدّ و جہد میں میرا عملی حصہ بس برائے نام ہی رہا۔ اس دور میں تعلیم و تدریس میرا خاص مشغلہ تھا، اس کے علاوہ آریہ سماجیوں کی برپا کی ہوئی "شدھی" کی تحریک نے (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) اس زمانہ میں آریہ سماج اور مسلمانوں کے درمیان مناظرہ، مباحثہ کا میدان گرم کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میدان میں اسلام کی وکالت و حمایت کی کچھ صلاحیت عطا فرمائی تھی اس لئے میں اس میں بھی حصہ لیتا تھا۔ قادیانی فتنہ اور قادیانی مبلغین کی سرگرمیاں بھی اس زمانہ میں عروج پر تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلے اور ان کے فتنہ سے امت کی حفاظت کی خدمت کی توفیق بھی اس عاجز کو عطا فرمائی تھی۔

نیز قریباً اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ نجد کی "وہابی حکومت" کے اس وقت کے فرمانروا سلطان عبدالعزیز بن سعود نے شریف حسین کو (جس نے جنگ عظیم کے دوران انگریزوں کی مدد سے سلطنت عثمانیہ ترکی اور خلیفۃ المسلمین سے بغاوت کر کے حجاز مقدس

پر اپنی حکومت قائم کرلی تھی) حرمین شریفین اور پورے علاقۂ حجاز سے بے دخل کرکے وہاں اپنا اقتدار قائم کرلیا اور اپنے مسلک کے مطابق حکومتی طاقت سے وہاں دینی اصلاحات نافذ کیں اس سلسلہ میں انھوں نے وہ قبے بھی تڑوا ڈالے جو مکہ مکرمہ کے قبرستان "جنۃ المعلاۃ" اور مدینہ منورہ کی جنۃ البقیع میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے) بعض اہل بیت اور صحابۂ کرام کی قبور پر کسی زمانہ میں بنالیے گئے تھے۔ اس واقعہ پر ہندوستان کے مختلف طبقوں کے قبور بین و مبتدعین اور شیعہ حضرات نے متحدہ محاذ بناکر "وہابیوں" اور وہابیت کے خلاف زبان و قلم کی ایک طوفانی جنگ برپا کردی اور یہاں حملوں کا خاص نشانہ شاہ اسمٰعیل شہید اور ان کی دعوتِ توحید و سنت کی علمبردار جماعت دیوبند کے اکابر کو بنایا گیا اور تکفیر و تفریق اور فساد انگیزی کا وہ فتنہ جو مولانا احمد رضا خان بریلوی نے برپا کیا تھا اور جو تحریک خلافت میں بالکل دفن ہوگیا تھا پھر زندہ ہوکر کھڑا ہوگیا اور اس میدان میں بھی یہاں مناظروں، مباحثوں کا بازار گرم ہوگیا۔ راقم سطور نے اللہ کی توفیق سے اس میدان میں بھی مسلک حق و اہل حق کی حمایت و وکالت میں حصہ لیا ــــ الغرض ایک طویل زمانہ تک تعلیم و تدریس کے ساتھ اسلام کی وکالت اور دین حق و اہل حق پر ہونے والے حملوں کی مدافعت بھی اس عاجز کا خاص مشغلہ رہا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس کو بھی قبول فرمائے اور اس سلسلہ کی تقصیرات معاف فرمادے۔

مولانا مودودی کے رسالہ ترجمان القرآن کا آغاز

غالباً ۱۹۳۲ء شروع ہوچکا تھا حضرت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی لکھنوی نے ایک ادارہ لکھنؤ میں "دارالمبلغین" کے نام سے قائم کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ "دارالعلوم دیوبند" جیسے بڑے دینی مدارس کے باصلاحیت فارغ التحصیل فضلا کو وقت کے تقاضوں کے مطابق اسلام کی دعوت و تبلیغ اور بیرونی حملوں اور اندرونی فتنوں

سے اس کی حفاظت و مدافعت اور اس کے لئے تحریر و تقریر اور مناظرہ مباحثہ کی ترہیت دی جائے۔ مولانا مرحوم نے اس ادارہ کی خدمت کے لئے اس عاجز کو بھی طلب فرمایا اور اسی سلسلہ میں اس دور میں چند مہینے میرا قیام لکھنؤ میں رہا۔ اسوقت مولانا کا ماہنامہ "النجم لکھنؤ" جاری تھا اس کے دفتر میں حیدرآباد سے ایک نیا رسالہ "ترجمان القرآن" آنا شروع ہوا، جس پر ایڈیٹر کی حیثیت سے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا نام ہوتا تھا ــــ مولانا لکھنوی مرحوم کے صاحبزادے مولوی عبدالمومن فاروقی مرحوم نے جو خود نوجوان صاحب قلم تھے، اس کا ایک شمارہ دیکھنے کے لئے مجھے دیا، میں نے محسوس کیا کہ اس کے ایڈیٹر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو اللہ تعالےٰ نے دینی مسائل و حقائق کو عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق سمجھانے کی غیر معمولی صلاحیت اور قدرت عطا فرمائی ہے، اور اسلام کے بارہ میں مستشرقین کی کتابوں اور مغربی علوم و افکار کے پیدا کئے ہوئے شکوک و شبہات جڑ سے اکھاڑ کے دلوں میں اطمینان و یقین پیدا کرنے میں ان کو خاص کمال حاصل ہے ــــ اس کے بعد سے میں "ترجمان القرآن" کے ہر شمارہ کا منتظر رہنے لگا، جب وہ آتا تو مولوی عبدالمومن مرحوم مجھے پہنچاتے اور میں بڑے شوق اور اہتمام سے اس کا مطالعہ کرتا۔

بریلی سے الفرقان کا اجرا

لکھنؤ میں اپنے قیام ہی کے زمانہ میں، میں نے "الفرقان" جاری کرنے کا فیصلہ کیا اور محرم ۱۳۵۳ھ (مارچ ۱۹۳۴ء) سے بریلی سے اس کا اجرا ہوا۔ اور اب "ترجمان القرآن" اس کے تبادلہ میں میرے پاس براہ راست آنے لگا، وہ مجھے اتنا عزیز تھا اور میں اس کا ایسا عاشق تھا کہ اس سے پہلے پورے ایک سال کے شمارے جو میں نے لکھنؤ میں دیکھے تھے اور اب میرے پاس نہیں تھے وہ بھی میں نے دفتر ترجمان القرآن حیدرآباد سے بقیمت منگوا لئے اور اس کا پورا فائل اپنے پاس رکھنا ضروری سمجھا ــــ واقعہ یہ ہے کہ ترجمان القرآن کے مطالعہ سے میرے قلب میں مولانا مودودی کی وقعت

اور محبت میں برابر اضافہ ہوتا رہا ہیں انکو اُس دور میں "منشکم اسلام" لکھتا تھا اور نجی طور پر بھی اور الفرقان کے ذریعہ بھی "ترجمان القرآن" کے مطالعہ اور خریداری کی لوگوں کو ترغیب و دعوت دیتا تھا۔

ترجمان القرآن خالص علمی و دینی رسالہ

اس وقت "ترجمان القرآن" خالص دینی اور علمی رسالہ تھا جس میں ملک کی سیاسی تحریکات اور پولیٹیکل معاملات کا کوئی تذکرہ نہیں ہوتا تھا، برطانوی حکومت جو اس وقت دُنیا کی سب سے بڑی "طاغوتی حکومت" تھی اور ہندوستان پر اور عالمِ اسلام کے بہت بڑے حصہ پر براہ راست یا بالواسطہ مسلط تھی اس کے خلاف بھی کبھی کچھ نہیں لکھا جاتا تھا "حکومت الہیہ" "اقامت دین" "اسلامی نظام" یا ان مقاصد کے لئے کسی جماعت کی تنظیم و تشکیل کا بھی کوئی ذکر اس کے صفحات میں نہیں ہوتا تھا۔ یہ سب چیزیں اس دور میں اُس کے دائرہ بحث سے بالکل خارج تھیں

ترجمان القرآن میں سیاسی مضامین کا آغاز

"ترجمان القرآن" کے اجرا کے چوتھے سال ۱۹۳۶ء میں انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی بنیاد پر ہندوستان میں پہلا جنرل الیکشن ہوا۔ اُس دور میں جداگانہ انتخاب کا طریقہ رائج تھا، مسلمان نمائندوں کو مسلمان ہی منتخب کرتے تھے اور ہندو نمائندوں کو صرف ہندو ۔ اس الیکشن کے نتیجہ میں ملک کے سات صوبوں میں کانگریس کو قطعی اکثریت حاصل ہوگئی، اور ان صوبوں میں بلا شرکت غیرے کانگریسی گورنمنٹیں قائم ہوگئیں۔ ان سات صوبوں میں غالب مسلم اکثریت کا ایک صوبہ سرحد بھی تھا۔ دوسرے صوبوں میں بعض دوسری مقامی سیاسی پارٹیوں کی مشترکہ گورنمنٹیں بن گئیں۔ یہ صوبائی گورنمنٹیں قانونی حیثیت سے زیر سایہ برطانیہ ہونے کے باوجود بڑی حد تک خود مختار تھیں۔

اس مرحلہ پر ہم جیسوں کے لئے دو حقیقتیں کھل کر بالکل سامنے آگئیں۔ ایک یہ کہ انگریزی اقتدار سے ملک کے بالکل آزاد ہو جانے کی منزل اب زیادہ دور نہیں ہے

— دوسرے یہ کہ انڈین نیشنل کانگریس کی قیادت میں آزادی کی تحریک جس طرح چل رہی ہے اس کے نتیجے میں جو آزادی حاصل ہوگی اور جو جمہوری قومی حکومت قائم ہوگی وہ ہم مسلمانوں کی آرزوؤں اور امنگوں کے مطابق نہ ہوگی بلکہ خاص کر اقلیتی صوبوں میں ان کی تہذیب اور ان کے ملی تشخص کے لئے نئے نئے خطرات پیدا ہو جائیں گے —

۱۹۳۶ء کے الیکشن کے بعد ملکی سیاست پر مولانا مودودی کے مضامین

مولانا مودودی نے اس وقت ترجمان القرآن میں اس موضوع پر لکھنا شروع کیا، یہ واقعہ ہے کہ وہ قلم کے بادشاہ ہیں، ان کے یہ مضامین قوت استدلال کے لحاظ سے بہت ہی محکم اور بڑے موثر تھے، راقم سطور بھی ان سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوا، دوسرے بہت سے اخبارات و جرائد نے بھی ان کو اپنے صفحات میں شائع کیا یہاں تک کہ جمعیۃ العلما کے اخبار "الجمعیۃ" میں بھی اس کی پہلی دو یا تین قسطیں شائع ہوئیں (حالانکہ ان کی زد اس وقت کے جمعیۃ کے سیاسی مسلک پر پڑتی تھی) "الفرقان" میں بھی یہ مضامین نقل ہوتے رہے اور راقم الحروف خود بھی ان کی تائید میں برابر لکھتا رہا۔

مولانا مودودی سے ذاتی ربط و تعلق

اسی زمانہ میں مولانا مودودی صاحب سے تعلقات بڑھے اور خط و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا اسی سلسلۂ مضامین میں ایک مرحلہ پر مولانا مودودی نے مسلمانوں کے سامنے احیاءِ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کو اصل نصب العین بنا کر خالص دینی بنیاد پر اس طرح کی ایک جماعت کی تنظیم اور اصلاحی دعوتی کام کی اسکیم پیش کی جس طرح کسی دور میں مولانا آزاد مرحوم نے "الہلال" کے ذریعہ "حزب اللہ" کے نام سے ایک جماعت کی تنظیم شروع کی تھی — مجھے یاد آتا ہے کہ انھوں نے اپنے اس مضمون میں حوالہ کے ساتھ "الہلال" کے اقتباسات بھی نقل کئے تھے — اس عاجز کو ان کی اس مثبت اسکیم سے بھی اس وقت پورا اتفاق تھا۔

پھر ایک مرحلہ آیا جب ہمارے درمیان خط وکتابت سے یہ طے ہوا کہ ترجمان القرآن اور الفرقان کے ذریعہ ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں مسلمانوں سے جو کچھ کہا جارہا ہے اور جو دعوت دی جارہی ہے اس کو ایک تحریک بناکر آگے بڑھانے کے لئے عملی جدوجہد کا کوئی لائحہ اور منصوبہ بنایا جائے۔ مولانا مودودی نے مجھے ایک خط میں لکھا کہ اب میں اس کا عزم کرچکا ہوں اور چونکہ اس کام کے لئے ریاستی علاقہ (حیدرآباد) بالکل مناسب نہیں ہے اس لئے میں پنجاب کے ایک مقام کو اپنی سکونت اور اس کام کے مرکز کے لئے تجویز کرچکا ہوں، اور وہاں منتقل ہونے کی تیاریوں میں مصروف ہوں — پھر ایک وقت انھوں نے مجھے اطلاع دی کہ میں فلاں تاریخ کو دہلی پہنچ رہا ہوں، میرا قیام محلہ چوڑی والان "شمسی کاٹیج" میں ہوگا (یہ مولانا کا سسرالی مکان تھا) آپ اس تاریخ پر دہلی آجائیں تو آئندہ کام کے بارے میں تفصیلی باتیں ہوجائیں گی —————،

مودودی صاحب سے پہلی ملاقات

ابھی تک سارا تعلق غائبانہ تھا، ملاقات کی کبھی نوبت نہیں آئی تھی، میں نے ان سے ملاقات اور مستقبل کے منصوبے اور کام کے بارے میں گفتگو کرنے کے لئے دہلی کا سفر کیا — میں یہ بات سن چکا تھا کہ مولانا مودودی صاحب کے ایمان افروز مضامین سے ان کے طرزِ زندگی کے بارے میں جو اندازہ کوئی لگا سکتا ہے ان کی زندگی اس سے بہت مختلف ہے یعنی جس اسلامی زندگی کے وہ پرزور داعی ہیں خود ان کی وہ زندگی نہیں ہے، جن صاحب نے مجھے یہ بات بتلائی تھی وہ مولانا کے ملنے والوں میں سے تھے اور "ترجمان القرآن" کے مضامین سے متاثر، اور ان کے قدردان تھے، انھوں نے بتلایا تھا کہ مودودی صاحب "حلوق اللحیہ" رہتے ہیں — مجھے یاد ہے کہ یہ سن کر مجھے حیرت و استعجاب کے ساتھ بڑا رنج و افسوس اور بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ لیکن دہلی کی اس ملاقات سے چند ہی روز پہلے حیدرآباد ہی سے ایک بڑے قابلِ اعتماد ذریعہ سے مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ اب اُن کی زندگی کے

(حاشیہ ص۱۱ پر)

طرز میں ہم جیسوں کے لئے خوشگوار تبدیلی شروع ہوگئی ہے (ایک محترم بزرگ نے لکھا تھا کہ آپ مودودی صاحب کے چہرہ پر ایمان کی کھیتی اگنا شروع ہوگئی ہے) مجھے اس اطلاع سے بڑی خوشی ہوئی تھی، بہرحال میں مولانا سے ملنے کے لئے دلی پہنچا۔ چوڑی والان میں شمسی کالج پہنچ کر ملاقات کی ــــ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت پہلی دفعہ مولانا کو دیکھ کر طبیعت کو ایک دھچکا سا لگا، کیونکہ اب بھی مولانا کی ہیئت اس سے بہت مختلف تھی جو ہونی چاہیئے تھی اور جس کی توقع پیدا ہوگئی تھی۔ وہ اس وقت محلوق اللحیہ تو نہیں تھے لیکن اس لحاظ سے ان میں بس برائے نام ہی تبدیلی آئی تھی۔ مگر چونکہ مولانا کے مضامین سے میں بہت متاثر تھا اور ان کے ساتھ ایک خاص قلبی تعلق پیدا ہوگیا تھا اس لئے دل کو سمجھایا کہ عملی زندگی کی اصلاح کا ابھی آغاز ہوا ہے انشاءاللہ آئندہ یہ حالت نہیں رہے گی اور ان کی زندگی اور تحریر میں جو مطابقت ہونی چاہیئے وہ انشاءاللہ ہوجائے گی ــــ آئندہ کام کے بارے میں اس ملاقات میں کسی قدر تفصیلی گفتگو ہوئی۔

(حاشیہ صفحہ ۵)

لہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وصیت کے الفاظ ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرۃ العرب سے باہر کردیا جائے، اس کے حدود میں ان کو رہنے بسنے کی اجازت نہ دی جائے ــ خلافت کی تحریک جن بنیادوں پر برپا ہوئی تھی ان میں سے ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ وصیت بھی تھی۔ تحریک خلافت کے سلسلہ کی تقریروں میں یہ حدیث اس کثرت سے دہرائی جاتی تھی کہ عوام بلکہ بہت سے ہندو بھائیوں کی زبان پر بھی چڑھ گئی تھی۔

(حاشیہ صفحہ ۶)

لہ جہاں تک مجھے یاد ہے کہ یہ واقعہ ۱۹۳۷ء کا ہے جب کہ ترجمان القرآن میں ۴/۵ برس سے مولانا کے وہ ایمان افروز مضامین شائع ہو رہے تھے جنھوں نے ہم جیسوں کو ان کا گرویدہ و عاشق بنادیا تھا اور میرا تصور ان کے بارے میں وہی تھا جو دین کے کسی داعی کے بارے میں ہونا چاہیئے

عَن انسؓ عَن النّبی صَلّی اللہ علیہ وسلّم

لَا یُؤمِنُ اَحَدکُم

حَتیٰ یُحبّ لِاَخیہِ مَا یُحبّ لِنفسہٖ

(رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جیسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جیولری ہاؤس لاہور

ٹمپل روڈ — سوہا بازار

۳۱۱۴۰ — ۳۰۴۳۳۳   ۶۴۴۳۳ — ۵۶۴۷۹

پروپرائیٹر: اے وحید

الہدیٰ

(واکیسویں نشست)

ایمان اور اس کے ثمرات

سورۃ تغابن کی روشنی میں

(مباحث ایمان)

ڈاکٹر اسرار احمد

کے ٹیلی ویژن کے دروس قرآنی کا سلسلہ

(۲)

السلام علیکم — نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم — اما بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ز فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ز فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ط وَاللّٰهُ غَنِيٌّ
حَمِيْدٌ ۝ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ط قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ
ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ط وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ
رَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ
لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ط وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا
يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَآ اَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ

اَصۡحٰبُ النَّارِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ۝ ــــ صَدَقَ اللّٰهُ الۡعَظِیۡمُ

"کیا نہیں پہونچ چکی ہیں تمہیں خبریں ان کی جنہوں نے کفر کیا تھا پہلے ! تو وہ چکھ چکے اپنے کئے کی سزا - اور ان کے لئے دردناک عذاب موجود ہے ــ یہ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح اور روشن تعلیمات کے ساتھ آتے رہے۔ تو انہوں نے کہا کہ کیا انسان ہمیں ہدایت دیدیں گے ؟ پس انہوں نے کفر کیا اور منہ موڑ لی تو اللہ نے بھی استغنا اختیار فرمایا۔ اور اللہ تو ہے ہی غنی اور اپنی ذات میں وہ خود محمود ہے۔ یہ مغالطہ لاحق ہوگیا ہے کافروں کو کہ انہیں اٹھایا نہ جائے گا۔ اے نبی ! (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیجئے کیوں نہیں ! اور مجھے میرے رب کی قسم ہے تمہیں لازماً اٹھایا جائے گا اور پھر تم کو جتلا دیا جائے گا جو کچھ تم کرتے تھے اور یہ چیز اللہ پر بہت آسان ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل فرمایا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ جس دن وہ تمہیں جمع کرے گا ، جمع ہونے کے دن۔ یہ ہے ہار اور جیت کے فیصلہ کا اصل دن۔ تو جو کوئی ایمان لائے گا اللہ پر اور نیک عمل کرے گا تو وہ اللہ اس سے اس کی برائیوں کو دور کر دے گا اور اسے داخل کرے گا ان باغات میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش تو یہی ہے بہت بڑی کامیابی۔ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہوگا اور ہماری آیات کو جھٹلایا ہوگا وہ ہوں گے آگ والے۔ وہ اس میں رہیں گے ہمیش اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔"

معزز حاضرین اور محترم ناظرین !

یہ سورۂ تغابن کی آیات نمبر ۵ تا نمبر ۱۰ ہیں جو ابھی آپ نے سماعت فرمائیں اور جن کا رواں ترجمہ بھی سنا۔ آج ہمیں سب سے پہلے اپنی گذشتہ مجلس کا قرض ادا کرنا ہے۔ پچھلی مرتبہ ہم نے چار آیات کی تلاوت کی تھی لیکن چوتھی آیت کا بیان رہ گیا تھا۔ توحید باری تعالیٰ اور اس کی صفاتِ کمال کے ضمن میں اس کی صفتِ علم کا بیان بھی ہے ــ اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین فرمالیجئے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی جن دو صفات پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے وہ اس کی صفتِ قدرت اور صفتِ علم ہے " هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ " اور هُوَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ " ــ سورۂ تغابن کی آیت نمبر چار اس اعتبار سے بڑی منفرد ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کو تین مختلف اسالیب سے بیان کیا گیا ہے۔ یا یوں کہیے کہ ہمارے فہم کے لئے اس کے علم کے تین ابعاد ــ (Dimentions) ہیں کہ جن کو نمایاں کیا گیا۔ فرمایا: یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔

" وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے "۔ اب آپ غور کیجئے کہ بات مکمل ہو گئی ۔۔۔ لیکن اسی پر مزید اضافہ فرمایا : وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۔ " اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو ۔ اس پر پھر بات مکمل ہے ۔ لیکن مزید تاکید اور Emphasis کے لئے فرمایا وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ " جو کچھ تمہارے سینوں میں مخفی ہے ، تمہاری نیتیں ، تمہارے عزائم ، تمہارے ارادے اللہ تعالیٰ پر وہ بھی عیاں ہیں اللہ ان کا بھی جاننے والا ہے "۔ اس چوتھی آیت پر اللہ تعالیٰ کی توحید اور صفاتِ کمال کا بیان اس سورہ مبارکہ میں ختم ہوتا ہے ۔ البتہ اسی سورۂ مبارکہ کے آخر میں پھر اس کا اعادہ ہوگا ۔

لیکن اب آتا ہے ایمان بالرّسالت کا بیان ۔۔۔ اس کے ضمن میں فرمایا کہ رسولوں کا معاملہ عام دا عظین یا ناصحین یا مصلحین (Reformers) یا مبلغین کا سا نہیں ہے کہ چاہے لوگ ان کی بات مانیں چاہے نہ مانیں کوئی اہم فرق واقع نہیں ہوتا ۔ اس کے برعکس رسول تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری حجت بن کر آتے ہیں لہٰذا ان کا انکار ، ان سے اعراض ، ان کی تکذیب کے دو نتیجے نکل کر رہتے ہیں ۔ دو سزائیں مل کر رہتی ہیں ۔ ایک اس دنیا میں کہ قوموں کی قومیں ہلاک و برباد کر دی گئیں ۔ قومِ نوح ، قومِ ہود ، قومِ ثمود ، قومِ لوط ، قومِ شعیب اور آلِ فرعون ۔ ان کا ذکر قرآن مجید میں بار بار اسی اعتبار سے آیا ہے کہ ان کے پاس اللہ کے رسول آئے واضح تعلیمات کے ساتھ : بِالْبَيِّنٰتِ ۔ اس میں معجزات بھی شامل ہیں اور وہ تعلیمات بھی جو فطرتِ انسانی کے لئے جانی پہچانی ہیں ۔ لیکن جب ان قوموں نے ان رسولوں کا ، ان کی دعوت کا انکار کیا تو وہ نسیاً منسیاً کر دی گئیں : كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۔ وہ قومیں ایسے ہو گئیں جیسے کبھی دنیا میں تھیں ہی نہیں ۔ یہ وہ سزا ہے جو اس دنیا میں ملتی ہے ۔ لہٰذا فرمایا : فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ ۔ " اپنے کئے کا ایک مزا تو وہ چکھ چکے ہیں "۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ اور ابھی ایک دوسری سزا باقی ہے اور وہ آخرت کی سزا ہے ، وہ جہنّم کی سزا ہے ۔

رسالت کے ضمن جو دوسری نہایت اہم بات یہاں بیان ہوئی وہ یہ کہ رسولوں کے باب میں جو سب سے بڑی ٹھوکر لوگوں نے کھائی اور ان کو ماننے میں ، ان پر ایمان لانے میں جو سب سے بڑی رکاوٹ ان کے سامنے آگئی وہ ان رسولوں کا بشر ہونا تھا ۔ وہ انسان تھے ، انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے ۔ وہ نبوّت و رسالت پر فائز ہونے سے قبل دنیا میں کاروبار بھی کرتے تھے ۔ جیسے خود نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے چالیس برس کی عمرِ شریف تک کاروبار کیا ہے ۔ جس پر

مشرکین مکہ اعتراض کرتے تھے جو سورۂ فرقان میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔ تو رسولوں کی یہ بشریت ان پر ایمان لانے میں بہت بڑی رکاوٹ بن جاتی رہی ہے کہ یہ انسان ہیں ہم جیسے۔ ہماری طرح کے ہاتھ پاؤں رکھنے والے، ہماری طرح ہی کی ضروریات و حوائج ان کو بھی لاحق ہیں۔ یہ کیسے ہماری ہدایت پر مامور ہو سکتے ہیں! یہ سب سے بڑی ٹھوکر تھی جو انسانوں نے کھائی: فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ۔

اب آپ غور کیجئے۔ اسی برائی کا نبیوں اور رسولوں کے ضمن میں بعد میں ظہور ہوتا ہے۔ ــــ جنہوں نے انکار کیا تو ان کی بشریت کی بنیاد پر انکار کیا کہ یہ بشر ہیں لہٰذا رسول کیسے ہو سکتے ہیں! اور جنہوں نے مانا، انہوں نے پھر بالکل دوسرا رُخ اختیار کر لیا کہ جب یہ رسول ہیں تو یقیناً بشریت سے ماوراء ہوں گے۔ الوہیت میں شامل ہوں گے۔ یہی وہ گمراہی ہے کہ جس کا نتیجہ یہود کے ایک فرقہ کی طرف سے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنانے کی صورت میں نکلا۔ ان کو بشریت کی حدود سے نکال کر الوہیت کی صف میں شامل کر دیا گیا۔ اسی گمراہی نے عیسائیت میں اس طور پر راہ پائی کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا صلبی بیٹا قرار دے دیا جس کی قرآن حکیم میں مختلف اسالیب و دلائل سے اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی ہے۔

اس کے بعد اب بیان آتا ہے ایمان بالآخرۃ کا ــــ اس کے ضمن میں یہاں جو انداز بیان ہے وہ بہت ہی زوردار ہے۔ اس کی فصاحت و بلاغت سے ہر وہ شخص لطف لے سکتا ہے جو عربی زبان سے تھوڑی سی بھی شُدبُد رکھتا ہو۔ فرمایا: زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ــــ زعم کا لفظ ہم بھی اردو میں بولتے ہیں۔ بے بنیاد خیال کے معنوں میں۔ جیسے ہم کہتے ہیں 'فلاں کو اپنے بارے میں بڑا زعم ہو گیا ہے۔ یعنی ہے کچھ بھی نہیں لیکن اپنے آپ کو سمجھتا بہت کچھ ہے۔" ان کافروں کو یہ مغالطہ لاحق ہو گیا ہے کہ اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا "کہ ہمیں اٹھایا نہ جائے گا"۔ قرآن مجید میں کفار کا یہ اعتراض و استبعاد مختلف اسالیب سے بیان کیا گیا ہے: ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ــــ جب ہم مر کر مٹی ہو کر مٹی میں مل جائیں گے تو پھر بعث بعد الموت کیسے ممکن ہے! یہ تو بالکل بعید بات ہے ــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ اے نبی ان کا یہ مغالطہ دور کر دیجئے۔ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ "کہہ دیجئے، کیوں نہیں! اور مجھے میرے رب کی قسم ہے"۔ آگے جو زور ہے اس کا اندازہ کیجئے: لَتُبْعَثُنَّ "تم لازماً اٹھائے

جاؤ گے۔" ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ" پھر تم (اس دنیا میں) جو کچھ کرتے رہے ہو وہ لازماً تمہارے سامنے رکھ دیا جائے گا"۔ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ" اور یہ چیز اللہ پر بہت آسان ہے۔" تمہیں مشکل معلوم ہو رہا ہے لیکن جب تم نے اللہ کو مان لیا ــــ میں نے عرض کیا تھا کہ ایمان کی جڑ اور بنیاد تو ایمان باللہ ہے۔ اگر کوئی اللہ ہی کو نہیں مانتا تو آخرت کے بارے میں اس سے گفتگو بیکار ہے ــــ اور اگر اللہ کو وہ مانتا ہے اور عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ مانتا ہے۔ کہ وہ ہر چیز پہ قادر ہے تو اب اس اعتراض کی کوئی گنجائش اور بنیاد نہیں رہی کہ کیسے اٹھائے جائیں گے! وہ جب ہر چیز پہ قادر ہے تو یہ چیز اس سے بعید نہیں یہ اس پر بہت آسان ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے ابتدائی دور کا ایک خطبہ ملتا ہے۔ اس میں وہی انداز، اسلوب، فصاحت و بلاغت اور زور ہے جو اس آیتِ مبارکہ کا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے وحی غیر متلو کے ذریعے یہ حکم "قُلْ" آں حضورؐ کو ابتدائی دور ہی میں مل چکا تھا ــــ خطبہ اس مؤثر ترین اسلوب سے شروع ہوتا ہے: اِنَّ السَّائِدَ لَا يَكْذِبُ اَهْلَهٗ ــ "لوگو تم جانتے ہو کہ) قافلہ کا رائد (رہبر، اپنے قافلے والوں کو کبھی دھوکہ نہیں دیتا۔ وَاللّٰهِ لَوْ كَذَبْتُ النَّاسَ جَمِيْعًا مَا كَذَبْتُكُمْ۔ "خدا کی قسم! اگر (بفرضِ محال) میں تمام انسانوں سے جھوٹ بول سکتا تب بھی تم سے کبھی جھوٹ نہ بولتا۔ وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِيْعًا مَا غَرَرْتُكُمْ "اور اگر (بفرضِ محال) میں تمام انسانوں کو فریب دے سکتا تب بھی تمہیں کبھی دھوکہ نہ دیتا"۔ اس پُرتاثیر تمہید کے بعد حضورؐ نے فرمایا: وَاللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ " اس اللہ کی قسم ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں"۔ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَّاِلَى النَّاسِ كَافَّةً " یقیناً میں اللہ کا رسول ہوں، فرستادہ ہوں، پیغامبر ہوں تمہاری طرف بالخصوص اور پوری نوعِ انسانی کی طرف بالعموم" وَاللّٰهِ لَتَمُوْتُنَّ كَمَا تَنَامُوْنَ ۔ "خدا کی قسم تم سب پر موت وارد ہو گی جیسے تم روزانہ رات کو سو جاتے ہو" ثُمَّ لَتُبْعَثُنَّ كَمَا تَسْتَيْقِظُوْنَ " پھر یقیناً تمہیں اٹھایا جائے گا جیسے ہر صبح کو تم بیدار ہو جاتے ہو" یہ تشبیہ اور تمثیل، یہ بھی معراجِ فصاحت و بلاغت ہے۔ حضورؐ خود اس کے مدعی ہیں۔ انا افصح العرب۔ میں عرب کا فصیح ترین انسان ہوں ــــ ثُمَّ لَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُوْنَ "پھر تم سے لازماً حساب لیا جائے گا اس کا جو تم کر رہے ہو۔ ثُمَّ لَتُجْزَوْنَ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَّبِالسُّوْءِ سُوْءًا" پھر لازماً تمہیں بدلہ مل کر رہے گا۔ بھلائی کا بھلا بدلہ اور برائی کی بُری سزا"۔ وَاِنَّهَا لَجَنَّةٌ اَبَدًا اَوْ

لَنَارٌ اَبَدًا ۔" اور وہ یا تو جنت ہے ہمیشہ ہمیش کے لئے یا آگ ہے دائمی " تو گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کا یہ انداز تشریح و تفسیر ہے: قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ " کی جو یہاں فرمایا گیا۔

جیسا کہ میں نے گذشتہ نشست میں عرض کیا تھا، سات آیات میں ایمانیات ثلاثہ کا بیان آگیا اس کی Narration ہوگئی۔ اب اگلی آیت میں دعوت ہے: فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ــــ یہ ہیں اس کائنات کے اصل حقائق ــــ "پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر" صلی اللہ علیہ وسلم ــــ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ "اور اس نور پر جو ہم نے نازل فرمایا" یعنی یہ قرآن حکیم جو منبع اور سرچشمہ ہے ایمان و یقین کا۔ نور ایمانی کے لئے یہی معدن و مخزن ہے۔ یہیں ملے گا ایمان کا نور اور یقین کی روشنی۔ جیسے سورۂ شوریٰ میں فرمایا: وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ اور البتہ ہم نے اس قرآن کو نور بنا کر نازل کیا ہے۔ اس کے ذریعے سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں ہدایت دیتے ہیں"۔ آگے فرمایا: وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ "جان لو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے"۔

اب آپ دیکھئے کہ جب ایمانیات ثلاثہ کی Narration تھی تو سب سے زیادہ تفصیل توحید اور صفات باری تعالیٰ کی آئی۔ اس سے کم تر بحث نبوت و رسالت کی آئی۔ اور صرف ایک آیت میں آخرت کا بیان تھا۔ جب دعوت دی جا رہی ہے تو توحید اور رسالت پر ایمان کی دعوت تو ایک آیت میں جمع ہوگئی۔ اب آگے آخرت پر ایمان کیلئے پوری دو آیات آرہی ہیں۔ اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ انسان کے عمل پر سب سے زیادہ جس ایمان کا اثر مترتب ہوتا ہے وہ ایمان بالآخرۃ ہے۔ ان آیات میں اس کی تفصیل آرہی ہے کہ جو شخص اللہ پر ایمان رکھے گا، ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی برائیوں کو، اس کی کوتاہیوں کو، اس کی غلطیوں کو معاف فرما دے گا، ان سے درگزر فرمائے گا۔ "وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ" ــــ اور اسے ان باغات میں داخل کرے گا۔ جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اور یہ اصل اور بڑی کامیابی ہے ــــ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

اس سے پہلے ارشاد ہوا تھا : یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ۔" جس دن اللہ تعالیٰ تمہیں جمع کرے گا جمع ہونے کے دن " ذٰلِکَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ۔ تغابن کہتے ہیں۔ " ہار اور جیت کا فیصلہ"۔ اس دنیا میں بھی ہماری بھاگ دوڑ لگی ہوئی ہے، ہم ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہاں بھی جو دوڑ ہو رہی ہے اس میں بھی کوئی ہارتا ہے، کوئی جیتتا ہے۔ لیکن یہاں کی ہار نہ مستقل ہار ہے نہ جیت مستقل جیت ہے۔ ہار بھی عارضی ہے اور جیت بھی عارضی ہے۔ یہ ظاہری ہار اور جیت ہے۔ حقیقی ہار اور جیت نہیں ہے یَوْمَ یَجْمَعُکُمْ لِیَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِکَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ط " وہ دن جس دن اللہ تمہیں جمع کریگا جمع ہونے کے دن " یعنی یوم القیامہ : لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ وہ ہے ہار اور جیت کے فیصلہ کا اصل دن : ذٰلِکَ یَوْمُ التَّغَابُنِ ط۔ جو اس دن جیتا وہ جیتا، جو اس دن ہارا وہ ہارا۔ وہ ہے ہار جو واقعی ہار ہے۔ حقیقی ہار ہے مستقل ہار ہے ۔ اور وہ ہے جیت جو واقعی جیت ہے۔ مستقل جیت ہے حقیقی جیت ہے

تو جیت کی بھی شرح ہو گئی کہ وہ جیت کیا ہے ! جنت میں خلود ہے جہاں ہمیشہ ہمیش رہیں گے ۔ اور ہار کیا ہے ! وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَآ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۔ اور جو لوگ کفر کی روش اختیار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ والے ہیں، وہ جہنمی ہیں"۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ط وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ " وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے"۔ یہاں سورہ تغابن کا پہلا رکوع مکمل ہو گیا جس کی پہلی سات آیات میں ایمانیات ثلاثہ کا بیان ہے اور آخری تین آیات میں ایمان کی نہایت زوردار دعوت ہے۔ اب اس ضمن میں کوئی سوال یا اشکال ہے تو میں اس کے لئے حاضر ہوں۔

— سوال و جواب —

سوال: ڈاکٹر صاحب! کہا جاتا ہے کہ "Virtue has its own reward" اگر ایمان کا حصول ہو جائے تو reward کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: اصل میں محاوروں اور مقولوں میں مبالغہ بھی ہوتا ہے۔ یقیناً نیکی کے اندر فی نفسہٖ ایک لذت ہے۔ اگر انسان کا مزاج درست ہو، اس کا ذائقہ بگڑا ہوا نہ ہو جیسے حالت بخار میں منہ کا ذائقہ بگڑ جاتا ہے تو یقیناً نیکی کے عمل میں خود ایک لذت ہے۔ لیکن اس سے

دوسرا نتیجہ لازماً نہیں نکلتا کہ اس کی جزا نہ ہو، اس کا اجر نہ ہو۔ دونوں چیزیں اپنی اپنی جگہ حقیقتیں ہیں لیکن انسانی کلام میں یہ عدم توازن ہو جاتا ہے کہ ایک چیز پر زور دینے کے لئے دوسری چیز کی نفی کر دی جاتی ہے۔ یقیناً نیکی اپنی جگہ پر خود ایک جزا بن جاتی ہے۔ اس لذت کی بنا پر جو انسان کو حاصل ہوتی ہے لیکن اس کا اجر و ثواب آخرت میں بھی ملنے والا ہے

سوال: ڈاکٹر صاحب! اس سورۂ مبارکہ میں کافروں کے لئے دو سزاؤں کا ذکر ہے۔ ان میں جو بنیادی سزا ہے آپ اس کی وضاحت کر دیں۔

جواب: کسی قدر تو میں نے پہلے ہی عرض کر دیا تھا۔ آپ کی اس بات سے میرا یہ خیال ہے کہ مزید وضاحت ضروری ہو گئی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک کافر تو ہے عام کافر ــــ یہاں جن کافروں کا ذکر ہو رہا ہے یہ وہ کافر ہیں جن تک رسولوں نے براہ راست دعوت پہنچائی۔ رسولوں نے بنفسِ نفیس تبلیغ کی اور انہوں نے رسولوں کا انکار کیا۔ ان کی دعوت کو رد کر دیا ان کے بارے میں یہ اللہ تعالیٰ کا مستقل فیصلہ ہے، یہ سنّت اللہ ہے کہ جن لوگوں پر رسولوں کی دعوت کے ذریعہ سے اتمامِ حجّت ہو جاتا ہے اور پھر بھی وہ انکار اور اعراض پر اڑے رہتے ہیں تو پھر ان کے ساتھ کوئی رعائت نہیں برتی جاتی۔ انہیں اس دنیا میں عذاب استیصال کے ذریعہ ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ یہ معاملہ بہت سی اقوام کے ساتھ ہوا ہے۔ جیسے قومِ نوحؑ، قومِ صالحؑ، قومِ ھودؑ، قومِ لوطؑ، قومِ شعیبؑ اور آلِ فرعون۔ پس ایسے منکرینِ حق کی دنیوی سزا ہے، ان کو نیست و نابود کر دینا، نسیاً منسیاً کر دینا، ان کی جڑ کاٹ دینا اور اسی کی متعدد مثالیں ہیں جو قرآن مجید میں آئی ہیں۔ لیکن ان قوموں کو رسولوں کی براہِ راست دعوت کے انکار و اعراض پر آخرت میں بھی دردناک سزا ملے گی جو دائمی ہو گی اور یہ بنیادی سزا ہو گی۔

حضرات! سورۂ تغابن کے پہلے رکوع میں، جیسا کہ میں نے عرض کیا ایمانیاتِ ثلاثہ کا بیان بھی ہمارے سامنے آیا۔ نہایت اختصار لیکن حد درجہ جامعیت کے ساتھ ــــ اور ایمان کی نہایت زوردار دعوت بھی آئی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو بھی دعوتِ ایمان کے لئے کھول دے اور ہمارے قلوب و اذہان کو ایمان کے حقیقی نور سے منوّر فرما دے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

مسئلہ رجم

(قسط ۲)

چند اشکالات — اور اُن کے جوابات

مولانا سید حامد میاں (مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور)

اب ہم بالترتیب ہر امام کی روایات نقل کرتے ہیں جن میں حدِ رجم آئی ہے۔ پہلے امام اعظم ابوحنیفہ پھر ان کے شاگرد امام ابو یوسف و محمد کی روایات پیش کی جاتی ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی بہت مختصر کتاب مسند امام اعظم میں کتاب الحدود میں ہے:

ابوحنيفة عن علقمة بن مرثد عن ابن بريدة عن ابيه ان ماعز بن مالك اتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال ان الاٰخر قد زنى فاقم عليه الحد فرده رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم اتاه الثانية فقال له مثل ذلك ثم اتاه الثالثة فقال له مثل ذلك ثم اتاه الرابعة فقال ان الاخر قد زنى فاقم عليه الحد فسأله عنه اصحابه هل تنكرون من عقله قالوا لا قالوا انطلقوا به

حضرت ماعز بن مالک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنے لئے "اٰخر" کا لفظ استعمال کیا جس کے یہ معنی بھی ہیں کہ نیکی میں پیچھے رہ جانے والے یا ذلیل یا تباہ حال، عرض کیا کہ اٰخر نے زنا کا ارتکاب کیا ہے آپ اس پر حد جاری فرمادیں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لوٹا دیا پھر وہ دوبارہ آئے اور اسی طرح عرض کیا پھر تیسری دفعہ آئے اور آپ نے ایسا ہی جواب ارشاد فرمایا پھر وہ چوتھی دفعہ آئے عرض کیا کہ اٰخر

فارجموہ قال فانطلق بہ فرجم بالحجارۃ فلما ابطأ علیہ القتل انصرف الی مکان کثیر الحجار فقام فیہ فاتاہ المسلمون فرجموہ بالحجارۃ حتی قتلوہ فبلغ ذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھلا خلیتم سبیلہ فاختلف الناس فیہ فقال قائل ھذا ماعز اھلک نفسہ وقال قائل انا ارجو ان یکون توبۃ فبلغ ذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لقد تاب توبۃ لو تابھا فثام من الناس لقبل منھم فلما بلغ ذلک قوما طمعوا فیہ فسألوہ ما یصنع بجسدہ قال اصنعوا بہ ما تصنعون بموتاکم من الکفن والصلوۃ علیہ والدفن قال فانطلق بہ اصحابہ فصلوا۔

مسند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ کتاب الحدود ص ۱۵۷، مطبوعہ اصح المطابع۔

نے زنا کا ارتکاب کیا ہے اس پر حد قائم فرمائیے آپنے ان کے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ کیا اسکی عقل تو خراب نہیں ہے انہوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ اسے لے جاؤ اور رجم کر دو، بریدہ فرماتے ہیں کہ پھر انہیں لیجایا گیا اور سنگسار کیا گیا جب انہیں قتل ہونے میں دیر لگی تو وہ پلٹے (لیکن) ایسی جگہ چلے گئے جہاں بہت پتھر تھے وہاں وہ کھڑے ہو گئے انکے پاس مسلمان پہنچے (آئے) انہیں سنگسار کیا حتی کہ انہیں قتل کر دیا جناب رسول اللہ کو یہ اطلاع پہنچی (کہ وہ اس جگہ سے جہاں رجم کیا جا رہا تھا پلٹ کھڑے ہوئے تھے) تو ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے انہیں کیوں نہ چھوڑ دیا (یعنی ان پر لگائی جانے والی حد ان کے اقرار پر موقوف تھی اور ان کا اس میدان سے سزا دیئے جانے کے وقت پلٹنا بمنزلہ انکار کے تھا اس لئے سزا موقوف کر دینی چاہیئے تھی) لوگوں میں ان کے بارے میں اختلاف ہوا۔ کسی نے تو یہ کہا کہ اس ماعز نے تو اپنے آپکو برباد کر لیا اور کسی نے کہا کہ مجھے یہ امید ہے کہ ان کا حد جاری کرانا ایک توبہ ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی تو آپ نے ارشاد

فرمایا کہ انہوں نے ایسی توبہ کی ہے اگر لوگوں کے گروہ کرتے تو وہ قبول کر لی جاتی (ان کی نجات کے لئے کافی ہوتی) جب یہ ارشاد لوگوں نے سنا تو انہیں طمع کی حد تک ان کے بارے میں رغبت ہوئی۔ دریافت کیا کہ اب ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا جو تم اپنی میتوں کے ساتھ کرتے ہو کفن نماز اور دفن۔ حضرت بریدہؓ نے فرمایا کہ انہیں ان کے ساتھ لے گئے اور نماز پڑھی۔

مسند ابی حنیفہ رحمہ اللہ

کتاب الحدود ص ۷۰، ۷۵ مطبوعہ اصح المطابع

مسند ابی حنیفہ میں یہ روایت پانچ طرح بیان کی گئی ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ اور بھی مختلف طریقوں سے یہ روایت موجود ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کثیر الحدیث تھے۔ ان کے پاس حدیث شریف کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ نصر بن حاجب فرماتے ہیں کہ میں ابو حنیفہؒ کے پاس ایک مکان میں گیا جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے فرمایا کہ یہ سب حدیثیں ہیں میں نے تھوڑی سی اتنی حدیثیں بیان کی ہیں جن سے فائدہ اٹھایا جائے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے کچھ حدیثیں سنائیے تو انہوں نے یہ حدیث املاء فرمائی۔

عن سلمۃ عن ابی الزعراء	حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا
عن ابن مسعود قال قال رسول	کہ جناب رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقتدوا	نے ارشاد فرمایا "ان دو کی پیروی کرو
باللذین من بعدی ابوبکر	جو میرے بعد آنے والے ہیں اور وہ
وعمر۔	ابوبکر و عمر ہیں"

تنسیق النظام شرح مسند ابی حنیفۃ الامام ص ۱۸۰

للحافظ العلامۃ المحدث الفقیہ محمد حسن السنبلی م ۱۳۰۵ھ

اس لئے امام اعظم نے اتنا فرما کر کہ یہ حدیث اور بھی مختلف طرق سے مروی ہے بقیہ احادیث کا حوالہ پر اکتفاء فرمایا ہے

اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے اوپر حد جاری کرنے کی درخواست کی تھی اور یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ اگر

اپنی فرمائش اور اقرار سے کسی کو سزا ہو رہی ہو تو انکار کرنے پر وہ سزا روک دی جائیگی کیونکہ سزا کا مدار صرف خود اسکے ہی اقرار و اعتراف پر ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ سے لیکر ہمارے زمانہ تک یہ مسائل اسی طرح کتابوں میں لکھے جاتے رہے ہیں اور ان پر عمل چلا آ رہا ہے۔

فقہ حنفی کی معروف ترین کتاب ہدایہ کتاب الحدود ج ۲ ص ۶ : ۵ پر پہلے حد کی تعریف بتلائی ہے؛

(الحد) فی الشریعة هو العقوبة المقدرة حقاً لله تعالیٰ (ص ۵۰۶)	یعنی حد شریعت میں اس معین سزا کا نام ہے جو اللہ تعالےٰ نے اپنا حق قرار دے کر مقرر کی ہو۔

پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ زنا کی حد کس طرح ہو گی :-

فصل : فی کیفیة الحدود واقامته واذا وجب الحد وکان الزانی محصنا رجمه بالحجارة حتی یموت لانه علیه السلام رجم ماعزا وقد احصن وقال فی الحدیث المعروف وزنا بعد احصان ۔ وعلی هذا اجماع الصحابة رض هدایہ ج ۲ ص ۵۰۹	فصل : اس بارے میں کہ حد کی کیفیت کیا ہوگی اور اسے کس طرح جاری کیا جائے گا ۔ جب حد واجب ہو جائے اور زنا کا محصن (شادی شدہ ہو آزاد ہو غلام نہ ہو مجنون نہ ہو وغیرہ) تو قاضی اسے پتھروں سے مارنے کا حکم دے گا حتّٰی کہ وہ مر جائے ۔ کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز کو سنگسار کیا تھا اور وہ (شادی

شدہ) محصن تھے ۔ اور حدیث معروف میں آتا ہے کہ جان لینی اس صورت میں بھی ہوگی کہ احصان کے بعد زنا کرے اور اسی پر صحابۂ کرام کا اجماع ہے۔

ہدایہ ہی میں ہے کہ اقرار چار دفعہ کرے گا تب معتبر ہوگا۔ اور امام ۔ یعنی قاضی کے لئے یہ مستحب ہے کہ وہ اسے اپنے اقرار سے ہٹانے کی کوشش کرے اور اگر وہ رجوع کرے تو اس کے رجوع کو مانا جائے گا ۔ ہدایہ ص ۵۰۸

اور اگر سزا گواہوں کی صداقت کی تحقیق کے بعد ان کے بیانات پر دی جا رہی ہو

تو سنگسار کرنے میں بھی انہیں ہی پہل کرنی ہوگی - اگر وہ پہل کرنے سے انکار کر دیں گے - تو حد ساقط ہو جائے گی - اسی طرح اگر گواہ مر جائیں یا غائب ہو جائیں - تب بھی حد جاری نہ کی جائے گی -

ویغسل ویکفن ویصلی علیہ -	اور اسے غسل و کفن دیا جائے گا اور
ھدایہ ص ۵۰۹	اس پر نماز پڑھی جائے گی -
وان لم یکن محصنا وکان	اور اگر وہ محصن (شادی و رخصتی
حرا فحدہ مائۃ جلدۃ	شدہ) نہ ہو اور آزاد ہو غلام نہ ہو تو
لقولہ تعالیٰ اَلزَّانِیَۃُ	اسکی حد سو کوڑے ہیں کیونکہ باری تعالیٰ
وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ	نے ارشاد فرمایا ہے زانی مرد و زن
وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ	ہر ایک کے سو سو کوڑے لگاؤ سوائے
الا انہ انسخ فی حق المحصن	اسکے کہ وہ محصن کے حق میں منسوخ ہو
فبقی فی حق غیرہ معمولا بہ	گیا ہے (آیت رجم کی وجہ سے اس
الھدایہ ج ۲ ص ۵۰۹	کے لئے تو رجم کا حکم اتر آیا) لہٰذا

اس کے علاوہ کنوارے کے لئے کوڑوں کا حکم باقی رہا - (جاری ہے)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ حکم

کیا ہم ان پر عمل کر رہے ہیں

غور فرمائیں

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
انا امرکم بخمس	میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم
بالجماعۃ والسمع	دیتا ہوں التزام جماعت کا
والطاعۃ والھجرۃ	اور سننے اور اطاعت کرنے کا
والجھاد فی	اور اللہ کی راہ میں ہجرت
سبیل اللہ	اور جہاد (جدوجہد) کرنے کا
مشکوٰۃ	حدیث
ترمذی	نبوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
سانیو
SANYO
AIRCONDITIONERS
REFRIGERATORS &
FREEZERS
NO-FROST
REFRIGERATORS
with exclusive features
• Two door with built-in lock.
• Spacious freezer compartment with drainage system, a new feature.
• Indicator pilot light on front door.
• In 4 pleasing colours (Green, Gold, Almond and White).
• One Year free service and 5 Years Guarantee on Compressor.
CHEST/UPRIGHT FREEZERS
AIR-CONDITIONERS
new in utility
with higher efficiency
Capacity: 1½ Ton, 18000 BTU/h
Noiseless Operation.
Trouble Free Service. Auto Deflector (Swing System).
Brown Teak Wood finish Grill.
Available at all
SANYO
Authorised Dealers
MANUFACTURED/ASSEMBLED IN PAKISTAN
SPECIAL ATTENTION: Please ensure that you get your Worldwide Trading Company's 5 year Guarantee Certificate in order to avail free after Sales Service.
SOLE AGENTS IN PAKISTAN FOR ALL SANYO PRODUCTS
WORLDWIDE TRADING CO.
(SANYO CENTRE)
GARDEN ROAD, SADDAR, KARACHI. PHONES: (PABX) 525151-55 (5 Lines)
CABLE: "WORLDBEST" TELEX: 25109 WWTCO PK
786/WW-109/83

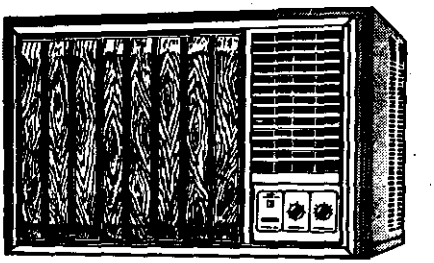

شامِ الہدیٰ - لاہور

شیخ جمیل الرحمٰن

کراچی کے وابستگانِ دعوت رجوع الی القرآن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ملی کہ انہوں نے ٹیلی ویژن کے محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے مقبول اور مؤثر ترین درس قرآن کے پروگرام "الہدیٰ" کے تسلسل کو برقرار رکھنے کا بیڑا اٹھایا۔ یہ پروگرام ٹی وی پر نصف تک پہنچا تھا کہ بند کر دیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے رفقائے کراچی کی نصرت فرمائی۔ کراچی کے مشہور و معروف ہوٹل "تاج محل" ہوٹل کی انتظامیہ نے اس کارِ خیر کے لیے اپنا "موتی محل" آڈیٹوریم انگریزی مہینہ کی ہر آخری سوموار (پیر) کو بلا معاوضہ دینا منظور کر لیا۔ یہ آڈیٹوریم کراچی ہی کا نہیں اغلباً پورے پاکستان میں وسعت اور گنجائش، بناوٹ اور سہولت کے اعتبار سے مثالی آڈیٹوریم ہے جس میں بارہ سو چالیس نشستوں کا باقاعدہ انتظام ہے مزید براں نشستوں اور اسٹیج کے درمیان خالی جگہ پر نیز اسٹیج پر چار پانچ سو افراد کے فرش پر بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ اسی طریقہ سے مختلف کونوں، نشستوں کے درمیانی زینوں پر بھی کم و بیش اتنے ہی افراد کے بیٹھنے یا کھڑے ہونے کی گنجائش موجود ہے۔

اللہ کے نام سے اس آڈیٹوریم میں ۲۹ اکتوبر ۸۴ء کی آخری سوموار کو بعد نماز مغرب "شامِ الہدیٰ" کی محفل کے انعقاد کا آغاز ہوا۔ محتاط اندازہ ہے کہ اس محفل میں کم و بیش پندرہ سولہ سو افراد نے شرکت فرمائی۔ دوسری نشست ۲۶ نومبر ۸۴ء کی آخری سوموار کو بعد نماز مغرب منعقد ہوئی۔ اس محفل میں ریکارڈ حاضری تھی۔ منتظمین کا کہنا ہے کہ پورے ہال میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی اور شرکاء کی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ تھی۔ دعوتِ قرآنی اور محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے پرتاثیر اسلوب خطاب اور محکم طرزِ استدلال کی یہ معجز نمائی ہے کہ کراچی جیسے معروف اور کاروباری شہر میں ہر شعبۂ زندگی کے افراد نے نہایت ذوق و شوق کے ساتھ ان محافل میں حصہ لیا۔

کراچی کی "شامِ الہدیٰ" کی طرز پر لاہور میں اس مجلس کے انعقاد کا مرکزی انجمن خدام القرآن کے وابستگان میں بھی جذبہ اور عزم پیدا ہوا۔ چنانچہ انجمن کی مجلس منتظمہ نے اس سلسلہ میں اقدامات شروع کئے۔ پہلا مسئلہ تو کسی مناسب حال وسیع اور معیاری آڈیٹوریم کے

انتخاب کا تھا۔ ذمہ داران انجمن نے "واپڈا" کے ارباب حل و عقد سے اس کار خیر میں تعاون حاصل کرنے کے لیے سلسلہ جنبانی کیا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید نے یہ مرحلہ بحسن و خوبی طے کرادیا اور واپڈا کے منتظمین نے اس مقصد کے لئے انگریزی ماہ کے ہر پہلے جمعہ کو بعد نماز مغرب واپڈا اڈیٹوریم کو استعمال کرنے کی منظوری مرحمت کردی۔ اِلّا یہ کہ کسی ماہ اس تاریخ کو ان کا اپنا کوئی فنکشن ہو۔ اس تعاون کے لئے واپڈا کے منتظمین کی خدمت میں ہدیہ تبریک و تشکر پیش ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ۴ جنوری ۸۵ء جمعۃ المبارک کو بعد نماز مغرب چھ بجے لاہور میں "شامِ الہدیٰ" کا واپڈا اڈیٹوریم میں آغاز ہوا۔ اس روز صبح سے لاہور کی فضا پر کہر چھائی ہوئی تھی، جس کے چھٹنے کے بعد خنک سردی کی لپیٹ میں آگیا تھا۔ مزید براں وسط شہر میں ایک سیاسی مظاہرے کی وجہ سے کسی حد تک کشیدگی کی فضا تھی۔ اسی دن ساڑھے بارہ بجے کے قریب شادمان کی چورنگی پر دن دھاڑے پنجاب کی ایک ممتاز صنعتی اور سیاسی شخصیت اپنے تین باڈی گارڈوں کے ساتھ فائرنگ کے نتیجہ میں موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے جس کے باعث اس علاقہ کی حد تک فضا میں خوف و ہراس کی کیفیت تھی۔ ان تمام موانع کے باوجود یہ اللہ تعالیٰ ہی کا لطف و کرم تھا کہ "شامِ الہدیٰ" کی محفل میں شرکاء کی تعداد کارکنان کی توقع سے کہیں زیادہ تھی۔ اڈیٹوریم کی تمام فکسڈ نشستیں وقت سے قبل ہی پر ہو چکی تھیں۔ خالی جگہوں پر عارضی طور پر بہت سی کرسیاں لگادی گئی تھیں وہ بھی بھر گئیں۔ چنانچہ بعد میں آنے والے اور انجمن کے کارکنان نے اسٹیج پر بیٹھنا شروع کیا اور دیکھتے دیکھتے وہاں بھی تل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔ الغرض اڈیٹوریم کا چپہ چپہ اور کونا کونا شرکاء سے پر تھا اور تمام WALK OF LIFE کے افراد اس میں شریک ہوتے تھے۔ خواتین کی نشست کے لئے گیلری میں باپردہ انتظام تھا۔

چھ بجے بعد نماز مغرب اللہ تعالیٰ کے مبارک نام سے اس محفل کا آغاز ہوا۔ ٹی وی کا الہدیٰ کا ہفتہ وار پروگرام سورۃ حجرات کے درس کی تکمیل پر بند کیا گیا تھا۔ اس طرح محترم ڈاکٹر صاحب کا مرتب کردہ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب نصف تک پہنچا تھا۔ اس نصاب کا حقیقی مفاد یہ ہے کہ قرآن حکیم کے بعض مقامات کے ذریعہ ایک مسلمان کے سامنے بالکل واضح طور پر یہ بات آجائے کہ قرآن حکیم کی انقلابی دعوت، انقلابی فکر اور پیغام کیا ہے! اسلام انفرادی سیرت و کردار کی تعمیر کے لئے کیا اساسات انسان کی رہنمائی کے لئے پیش کرتا ہے اور قرآن کی پیش کردہ صالح اقدار اور بنیادیں کون سی ہیں، جن پر ایک صالح اور ایک فلاحی و رفاہی مملکت کا اجتماعی نظام نافذ ہو سکتا ہے اعمال صالحہ کی بحث میں اس نصاب میں سورہ حجرات مکمل آخری درس کے طور پر شامل ہے اس سورہ مبارکہ میں یہ امور زیر بحث آتے ہیں کہ ایک اسلامی ریاست کی تشکیل کے اصولی

پر ہوتی ہے! اس ریاست کی حکومت کے لئے اساسی ہدایت کیا ہے! قانون سازی کے لئے حدود و قیود کیا ہیں! اعلیٰ سطح پر امت مسلمہ کی ثقافتی و تہذیبی یکسانیت و ہم آہنگی کے لئے اصولی و جذباتی اساس کون سی ہے! کسی اسلامی ریاست کا مکمل شہری ہونے کی شرائط کیا ہیں! اسلامی معاشرے کی شیرازہ بندی اور اس کے استحکام کے اصول کیا ہیں! افواہوں کی روک تھام کے لئے قرآن مجید کی ہدایات کون سی ہیں! وہ انفرادی اور اجتماعی خرابیاں (Evils) کون سی ہیں جن سے اسلامی معاشرے کو اجتناب و احتراز ضروری دلانی ہے۔ مسلمانوں کے دو گروہوں میں اگر کوئی نزاع ہو جاتے اور وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو جائیں تو ان میں صلح کرانے کے لئے امت کو کیا ہدایات دی گئی ہیں! اسلام کا آفاقی پیغام کیا ہے اور وہ پوری نوع انسانی میں باہمی اخوت اور ربط و تعلق کی کونسی آفاقی اساسات پیش کرتا ہے! اسلام اور ایمان کا فرق کیا ہے! ایمانِ حقیقی کے رکن رکین ہونے کی حیثیت کن امور کو حاصل ہے!

محترم ڈاکٹر صاحب ٹی وی پر پیش کئے جانے والے دروس سے ربط و تعلق اور اس کا تسلسل قائم کرنے کے لئے کراچی اور لاہور دونوں مقامات پر شام الہدیٰ کی افتتاحی نشست کے لیے سورہ حجرات کے درس کے اعادہ کا فیصلہ فرمایا تھا۔ کراچی میں تو پہلی ہی نشست میں الحمدللہ اس پوری سورہ مبارکہ کا درس مکمل ہو گیا تھا۔ لیکن لاہور میں پہلی نشست کے دو گھنٹے میں اس سورہ مبارکہ کا درس بارہ آیات تک مکمل ہو سکا جبکہ یہ سورہ ۱۸ آیات پر مشتمل ہے چھ آیات کا درس باقی رہ گیا۔ ان آیات میں نہایت اہم مسائل اور ہدایات زیر بحث آتی ہیں ان کا اختصار سے حق ادا کرنا ممکن نہ تھا لہٰذا ڈاکٹر صاحب موصوف نے اعلان فرمایا کہ بقیہ آیات کا درس انشاء اللہ "شام الہدیٰ" کی دوسری نشست میں مکمل ہو گا جو یکم فروری ۸۵ء جمعۃ المبارک کو بعد نماز مغرب اسی واپڈا اڈیٹوریم میں منعقد ہو گی۔

درس کے خاتمہ پر دس منٹ کے وقفہ کے بعد سوال و جواب کے لئے دوبارہ نشست شروع ہوئی۔ درس سے متعلق سوالات کے علاوہ چند عمومی نوعیت کے بھی تحریری سوالات آئے تھے۔ فقہی نوعیت کے سوالات کے علاوہ جو سوالات مقررہ وقت کے اندر آ گئے تھے انکے ڈاکٹر صاحب نے تفصیل کے ساتھ شافی اور تسلی بخش جوابات دیئے۔ سوال و جواب کی نشست قریباً پون گھنٹے تک جاری رہی جس کے خاتمہ کے بعد واپڈا ہی کی مسجد میں ڈاکٹر صاحب کی اقتدا میں نماز عشاء باجماعت ادا کی گئی۔

اس "شام الہدیٰ" کے لئے انجمن کی طرف سے مناسب تشہیر کا اہتمام کیا گیا تھا اخبارات میں اشتہار کے علاوہ انفرادی طور پر بھی لاہور کی ممتاز علمی و سماجی شخصیات کو

دعوت نامے بھی ارسال کئے گئے تھے۔ مزید براں درس سے قبل سورہ حجرات کا متن اور اور سورہ مبارکہ کے متعلق جواہم نکات ڈاکٹر صاحب موصوف نے منتخب نصاب میں تحریر فرمائے ہیں ان پر مشتمل ایک پمفلٹ بھی تقسیم کیا گیا

شام الہدیٰ لاہور کی دوسری نشست یکم فروری ۸۵ء کو واپڈا آڈیٹوریم میں منعقد ہوئی۔ جس کی رپورٹ ان شاء اللہ آئندہ شمارہ میں شامل کی جائیگی اب تیسری مجلس یکم مارچ جمعۃ المبارک کو بعد نماز مغرب منعقد ہوگی

ہم لاہور اور قریبی شہروں کے قارئین میثاق اور دعوتِ رجوع الی القرآن کے جملہ وابستگان کو اس مجلس میں شرکت کی دعوت دیتے ہیں اور ان سے اس تعاون کے بھی طالب ہیں کہ وہ اپنے حلقۂ احباب و اثر میں اس مجلس میں شرکت کی دعوت و ترغیب دے کر تعاون علی البر فرمائیں۔ انجمن کے وسائل اس امر کے متحمل نہیں ہو سکتے کہ ہر مرتبہ اخبارات میں نمایاں اشتہارات دیئے جائیں

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

شام الہدیٰ کراچی

کراچی اور گردونواح کے ماہنامہ میثاق کے قارئین سے التماس ہے کہ وہ نوٹ فرمالیں کہ فروری میں "شام الہدیٰ" ان شاء اللہ العزیز

۱۸ فروری ۸۵ء بروز سوموار (پیر) بوقت ساڑھے سات بجے شب

تاج محل ہوٹل۔ موتی محل آڈیٹوریم شارع فیصل میں

منعقد ہوگی۔ جس میں سورہ جمعہ کا مکمل درس ہوگا۔

افکار و آراء

پکی قبور کے متعلق ایک استفسار

مکرمی و محترمی جناب : ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلمہ الرحمٰن -

السلام علیکم ورحمۃ اللہ - آپ کو ایک مسئلہ پر تکلیف دینے کی جسارت کر رہا ہوں۔ اس اُمید پر کہ آپ اس مسئلہ کا قرآن و سُنت کی روشنی میں واضح اور مدلّل حل پیش کریں گے۔ نیز شرعی لحاظ سے آپ پر واجب بھی ہے کہ آپ وہ علم لوگوں تک پہنچائیں جو اللہ تعالےٰ نے آپ کو عنایت فرمایا ہے ۔ مسئلہ ایک مستند حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے پیدا ہوا ہے - اب میں اسے ترتیب وار پیش کرتا ہوں -

۱ - ارشادِ باری تعالےٰ ہے :

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا

(الحشر: ۷)

"اور رسولؐ جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس بات سے منع کریں رُک جاؤ"

اس آیتِ کریمہ کے تحت جس بات کا نبی کریمؐ ہمیں حکم دیں ہمیں چاہیئے کہ اُس پر سختی سے عمل کریں اور جس بات سے روکیں بلا چون و چرا رک جائیں - یہ نہ دیکھیں کہ اس بات پر عمل کرنے یا نہ کرنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے - ہمیں چاہیئے کہ اپنی تاویلیں نہ کریں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اطاعت میں سرِ تسلیم خم کر دیں -

۲ - مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ - (النساء: ۸۰)

"جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی"

اور ساتھ ہی ہمیں اللہ تعالےٰ کا یہ حکم بھی سامنے رکھنا چاہیئے - کہ

۳ - وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا -

(الاحزاب: ۳۶)

"اور جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کی وہ تو صریح گمراہی میں جا پڑا -"

پھر اللہ تعالےٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی اور اس کے خلاف عمل کرنے والوں کے لئے فرماتا ہے۔

۴ - فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٥ (النور : ۶۳)

"رسولؐ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیئے کہ وہ (خلاف ورزی کرکے) کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں، یا اُن پر دردناک عذاب نہ آجائے"۔

ان آیات کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حکم ہے : جس پر عمل کرنا ہم پر واجب ہے۔ اگر حکم عدولی کریں گے تو درج بالا آیات میں وارد شدہ تنبیہ سے ہمیں کیا نقصان پہنچ سکتا ہے یہ اس کا اندازہ تو خوب لگایا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ:

عَنْ جَابِرٍ :- قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ -

(مسلم شریف - جلد ا ص۳۱۲ - مشکوٰۃ شریف جلد ا - باب دفن المیت پہلی فصل حدیث ۵)

ترجمہ : حضرت جابرؓ سے روایت ہے : کہا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا قبر کو پختہ بنانے سے، اور اس پر عمارت بنانے سے، اور اس پر بیٹھنے سے (روایت کیا اسکو مسلمؒ نے)

مندرجہ بالا حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرماتے ہیں کہ قبر کو پختہ نہ بناؤ اور اُس پر عمارت بھی نہ بناؤ۔ اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے : وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا - "اور جس بات سے منع کریں رک جاؤ"

اب یہاں سوچنے کا مقام اور لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بظاہر حضورؐ کے اس حکم کی خلاف ورزی اسقدر زیادہ ہو رہی ہے کہ کثیر تعداد میں قبروں پر گنبد اور عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ اور قبریں پختہ بھی ہیں۔ یعنی جن دو باتوں سے آپؐ نے منع فرمایا ہے وہی باتیں کثرت سے ہو رہی ہیں۔ اور کوئی عالم اس سے نہیں روکتا۔ اولیائے کرام کے مزارات پر گنبد موجود ہیں۔ اسکے علاوہ قبریں تو بہت پختہ ہیں۔

کیا اس عمل سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی حکم عدُولی نہیں ہو رہی ہے؟ مجھے اس سوال کا مدلّل جواب چاہیئے۔

میرا ایمان تو یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جب ایک بات سے روکا ہے۔ تو بس رُک جاؤ۔ اس میں کسی تاویل نکالنے کا جواز پیدا نہیں کرنا چاہیئے۔ محدثین، فقہاؤ علما نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ تمام فتاویٰ کی بنیاد بھی رسولِ کریمؐ کا یہی ارشاد ہے۔ مختصراً تفصیل لکھ دیتا ہوں۔ ویسے صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے ان حوالوں کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۔ امام نوویؒ شرح مسلم جلد ۱ = "قبر پر عمارت بنانا اگر (وہ جگہ) عمارت بنانے والے کی ملک ہے تو مکروہ ہے اور اگر عام مقبرہ ہے تو حرام ہے۔"

۲۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ و امام محمدؒ = کتاب الآثار، امام شافعیؒ وغیرہ

۳۔ علامہ حلبی الحنفیؒ = حوالہ کبیری ص ۵۹۹

۴۔ حافظ ابنِ ہمام الحنفیؒ = فتح القدیر جلد ۴

۵۔ علامہ ابنِ عابدین الحنفیؒ = شامی ج ۱ ص ۱۰۱

۶۔ ملّا علی قاریؒ = مرقات ج ۱ ص ۲۴۶ میں لکھتے ہیں۔

وھی ما انکرہ ائمۃ المسلمین کالبناء علی القبور وتجصیصھا۔

ترجمہ: "(بدعت وہ ہے) جس کا ائمہ مُسلمین نے انکار کیا ہو جیسے قبروں پر عمارت بنانا اور انہیں پختہ کرنا۔"

۷۔ فتاویٰ عالمگیریؒ مصری ج ۱

المکروہ التحریمی عند الامام (ابوالمکارم ج ۳)
ویستم القبر قدر الشبر ولا یربع ولا یجصص و یکرہ ان یبنیٰ علی القبر

۸۔ فتاویٰ رضویہ = "قبروں پر گنبد بنانا، انہیں پختہ کرنا حرام ہے۔ میرے والد اور والدہ کی قبریں ایک بالشت اونچی ہیں۔ اور اُن پر کوئی عمارت نہیں۔"
اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی

وضاحت: مَیں اہلِ سُنّت مسلمان ہوں۔ لیکن رسولِ کریمؐ کے فرمان کو پڑھ کر حیرت میں گم ہوگیا ہوں۔ اور یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا ہوں کہ یہ کیسے ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے —— ۲ اگر کوئی یہ کہے کہ رسولِ اکرمؐ کی قبرِ انور پر گنبد بنا ہُوا ہے تو اس کا جواب میری ناقص عقل میں یہ آتا ہے کہ وہ رسولِ اکرمؐ کی تخصیص میں سے ہے —— نبیؐ جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے۔ اور اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ مبارک پر پہلے ہی چھت موجود تھی۔ علاوہ ازیں اسلام دشمن عناصر کی شرارتوں اور ہتھکنڈوں سے محفوظ رکھنے کے لئے روضۂ انور کی حفاظت بہرحال ضروری سمجھی گئی۔ جیسا کہ نورالدّین زنگی کے دور میں قبرِ انور کو نقصان پہنچانے کی ناپاک جسارت کی گئی تھی۔

نیز نبی کریمؐ کے گنبدِ خضرا کے مقابلے میں گنبد تعمیر کرانا بھی مناسب نہیں۔ شاید ادب کے بھی خلاف ہو۔ کچھ باتیں انبیاء کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں۔ جن پر اُمّت کا کوئی حق نہیں ہوتا۔

ان سب باتوں کے علاوہ —— سب سے مقدّم تو نبیؐ کا حکم ماننا ہے۔ کہ رُک جاؤ۔ بس رک جاؤ۔ حدیث میں نہی کا لفظ استعمال ہُوا ہے۔ اور اللہ کا حکم بھی یہی ہے۔ کہ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ رسولؐ اللہ کے حکم کے ہوتے ہوئے ہم گنبدِ خضرا کو بطورِ دلیل نہیں پیش کر سکتے۔ کیونکہ دونوں میں تضاد ہے۔ حضورؐ کا گنبدِ خضرا نبیؐ کی تخصیص ہے اور حضورؐ کا حکم ہمارے لئے حجّت ہے۔

البتہ ایک صورت ہوسکتی ہے۔ وہ یہ کہ نبی کریمؐ کا کوئی فرمان اس حدیث کا ناسخ ہو۔ جیسے آیاتِ قرآنیہ میں ناسخ و منسوخ ہیں ویسے ہی احادیث میں بھی ہیں —— اگر کوئی ایسی صحیح اور اس حدیث سے بلند تر (ثقاہت اور صحیح ہونے میں) حدیث ہو تو پھر مذکورہ بالا حدیث منسوخ ہوسکتی ہے۔ اور عمارت بنانے والی حدیث (اگر کوئی ہو) تو اس پر عمل ہوسکتا ہے۔ اور اگر کوئی ایسی ہی صحیح حدیث اس حدیث کو منسوخ نہیں کرتی تو پھر اسی حدیث پر عمل ہونا چاہیئے۔ یا یہ ثابت ہو جائے کہ مسلم کی یہ حدیث ضعیف ہے۔

آپ سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں۔ یا اس حدیث کی ناسخ حدیث [illegible] آگاہ فرمائیں بمع حوالہ جات۔ مثلاً بخاری و مسلم یا صحاحِ ستّہ کی کسی کتاب یا مسند احمد وغیرہ میں کوئی ایسی واضح صحیح حدیث ہو جو مذکورہ حدیث

کو منسوخ کر دے۔ یا یہ ثابت کر دیں کہ مذکورہ حدیث ضعیف ہے۔

ورنہ تو

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (قرآن حکیم۔ سورۃ الحشر: ۷)

پر عمل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور ہمیں یہ بھی یاد رکھنا ہے کہ:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب: ۳۶)

"اور جس نے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی کی۔ وہ تو کھلی گمراہی میں جا پڑا۔"

بوجہ عالم دین قرآن وسنت کے مطابق صحیح جواب دینا آپ پر واجب ہے۔ ورنہ قیامت کے دن آپ جوابدہ ہونگے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے آمین۔

نیازمند ضیاء الحسن فاروقی (ایم۔اے)

آپ کی تحقیق بالکل حق ہے۔ اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ پکی قبریں بنانے اور ان پر مقبرے تعمیر کرنے کی شریعت میں ممانعت ہے اہل سنت کے تمام مکاتب فکر اس کے قائل ہیں۔ ہمارے معاشرے میں دین کے حقیقی علم کے فقدان کا یہ بھی ایک مظہر ہے ہماری اکثریت فرائض دینی تک سے غافل ہے۔ اس کے معاملے میں یہ بہرحال کم تر برائی ہے۔ البتہ اس کے اثم ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے (ادارہ)

برائے توجہ!

قارئین میثاق سے گذارش ہے کہ خط وکتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں (شکریہ)

رفتارِ کار

چالیس روزہ تربیتی پروگرام

رحمت اللہ بٹ

یہ بات ایک مسلمہ اصول ہے کہ ہر انقلابی تحریک کے کارکنوں میں اپنے انقلابی فکر کے لئے جذبۂ عمل ابھارنے اور اس کے مطابق تربیت دینے کا معقول انتظام ہونا ضروری ہے تاکہ ایک طرف ان کو اس دعوت کی حقانیت پر مزید انشراحِ صدر حاصل ہو۔ جس کو انہوں نے برضا و رغبت قبول کیا ہے۔ دوسری طرف ان میں وہ صلاحیت واستعداد اور سلیقہ نشوونما پائے جو کسی دوسرے فرد کو اپنی دعوت سے متعارف کرانے کے لئے ضروری ہے۔

چونکہ تنظیم اسلامی کی دعوت خالصتہً کتاب اللہ اور سنتِ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر مبنی ہے لہٰذا تنظیم کے رفقاء ومتوسلین کیلئے ان سے تمسک واعتصام لابدو ناگزیر ہے۔ ظاہر بات ہے کہ تنظیم اسلامی کے لئے فی الوقت یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ دار العلوموں کی طرز پر دینی تعلیم وتربیت کا انتظام کر سکے اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے بڑی حد تک مرکزی انجمن کی طرف سے قرآن اکیڈمی میں دو سالہ دینی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ جس میں بحمد اللہ چالیس افراد مستقل طور پر حصہ لے رہے ہیں اور ان شرکاء میں اکثریت ان حضرات پر مشتمل ہے جو اعلیٰ سطح پر جدید تعلیم کے فارغ التحصیل ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز جب یہ حضرات دو سالہ کورس کامیابی سے مکمل کر لیں گے تو ان میں استعداد پیدا ہو جائے گی کہ وہ کتاب وسنت اور دیگر دینی علوم سے براہِ راست استفادہ کر سکیں گے اور دورِ جدید کے باطل نظریات وافکار اور فلسفوں کا قرآن حکیم اور سنتِ رسولؐ کی روشنی میں ابطال کی صلاحیت سے بڑی حد تک بہرہ مند ہوں گے اور مؤثر وحقیقی داعی الی اللہ کا فریضہ انجام دے کر عدل وقسط پر مبنی نظامِ حکومت کے قیام کی جدوجہد میں اپنا حصہ شامل کر سکیں گے۔

لیکن تنظیم اسلامی کے تمام رفقاء کے لئے عملاً ممکن نہیں ہے کہ وہ دو سال اس کام کے لئے وقف کر سکیں۔ پھر یہ کہ رفقاء میں سے ہر ایک کی ذہنی وتعلیمی استعداد بھی معیارِ مطلوب کے مطابق نہیں ہے۔ اس پر مستزاد یہ امر ہے کہ ذرائع ووسائل بھی اتنے محدود ہیں کہ چالیس پچاس افراد سے زائد اشخاص کے لئے دو سالہ کورس کے مصارف کے متحمل نہیں ہو سکتے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی توفیق وتائید کے بھروسے پر بیس بیس دن پر مشتمل تعلیمی وتدریسی اور تربیتی کورس مرتب کیا گیا۔ اس سلسلہ کا پہلا کورس ۲۰ جولائی سے ۸ راگست ۸۴ء تک روبعمل آیا تھا اور دوسرا کورس چالیس روز کے لئے یکم دسمبر ۸۴ء سے شروع ہو کر ۸ جنوری ۸۵ء کو اختتام پذیر ہوا۔ اس تربیت گاہ کی نظامت کا بارِ گراں اس عاجز کے سپرد کیا گیا۔ اس چالیس روزہ تربیت گاہ کی اہم ترین خصوصیت یہ تھی کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی نے اپنی بیرونِ لاہور تمام مصروفیتوں کو ملتوی کر دیا اور اپنے تمام اوقات کو اس کام کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ پروگرام اصلاً بیس بیس روز کے دو مراحل پر مشتمل تھا اور اوقاتِ کار کو یوں ترتیب دیا گیا کہ غیر شرکاء تربیت گاہ بھی اس سے مستفید ہو سکیں چنانچہ تدریس عربی اور امیر محترم کے خطابات کے لئے بعد نماز مغرب تین گھنٹے کا وقت معین کیا گیا۔ پہلے مرحلے میں شرکاء کی تعداد چالیس کے لگ بھگ رہی جو ہمہ وقتی قرآن اکیڈمی میں اقامت پذیر تھے دوسرے مرحلے میں اکثر حضرات لاہور سے بھی تشریف لائے

تھے اور تعداد پچاس ساٹھ ہو جاتی تھی تعلیم کے اوقات صبح سوا سات بجے تا ایک بجے بعد دوپہر اور شام ساڑھے پانچ تا ۹ بجے شب رہے۔ سب سے پہلے ایک گھنٹے تک قرآن مجید کی تلاوت کی تصحیح کے لئے علم تجوید کی تدریس جاری رہی۔ محترم قاری محمد مشتاق صاحب نے، جو یہ خدمت پچھلے سترہ سال سے سرانجام دے رہے ہیں، تجوید کے بنیادی اصولوں کی تعلیم دی۔ اس کلاس میں شرکاء تربیت گاہ کے علاوہ دیگر دس بارہ حضرات سردی کے اس موسم میں لاہور کے مختلف مقامات سے شریک ہوتے رہے۔ قاری صاحب نے بڑی پابندی سے یہ خدمت سرانجام دی اور اختتام پر امتحان بھی لیا اور اس میں کامیاب حضرات کو سندات سے بھی نوازا۔ تجوید کے بعد ایک گھنٹے تک تدریس حدیث کا پروگرام جاری رہا جس میں عاجز نے اس مجموعہ احادیث کو جو محترم جناب ڈاکٹر تقی الدین احمد صاحب نے منتخب کر کے مرتب کیا تھا۔ شرکاء کو لکھوایا اور اس کی مختصر تشریح بھی کی۔ شرکاء کو تلقین کی گئی کہ وہ ان احادیث کو ازبر کرنے کی کوشش کریں۔ مزید براں چند ایام میں کچھ اذکار مسنونہ اور خاص کر نماز سے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں پڑھائی گئیں۔

اس کے بعد محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا امیر تنظیم اسلامی کا منتخب نصاب جو قرآنی تعلیمات کے مباحث ایمانیات عمل صالح تواصی بالحق اور تواصی بالصبر پر مشتمل ہے، سنانے کا اہتمام کیا گیا۔ شرکاء پر لازم قرار دیا گیا کہ وہ ان دروس کو سن کر اپنے الفاظ میں تحریر کریں تاکہ معلوم ہو کہ انہوں نے کس حد تک ان مباحث کو سمجھا اور ذہن میں رکھا ہے۔ بحمداللہ کہ یہ پروگرام بہت ہی مفید رہا۔ چوہدری غلام محمد صاحب قیم تنظیم اسلامی جنہوں نے ان سب تحریروں کو نہ صرف پڑھا بلکہ ان کی اغلاط کی بھی نشان دہی کی اور شرکاء کو مفید مشوروں سے بھی نوازا۔ چوہدری صاحب موصوف کا فرمانا ہے کہ بیشتر حضرات نے ان دروس کو خوب محفوظ کر لیا ہے۔ نماز مغرب کے بعد عربی کی ابتدائی تدریس کے لئے پروفیسر حافظ احمد یار صاحب کی خدمات مستعار لی گئی تھیں۔ انہوں نے بڑی محنت سے اس قلیل مدت میں عربی کا معلم نامی کتابچہ اور "طریقہ جدیدہ فی تعلیم العربیہ" کا حصہ اول پڑھایا۔ اس دوران مقیم حضرات کے علاوہ لاہور سے کوئی تیس کے قریب حضرات بھی شرکت کرتے رہے۔ یہ تدریس ڈیڑھ گھنٹے تک جاری رہتی تھی جس کے اختتام پر چند منٹوں کے وقفے کے بعد اس تربیت گاہ کا سب سے اہم پروگرام شروع ہوتا رہا۔ امیر محترم نے تسلسل اور ترتیب سے مندرجہ ذیل موضوعات پر مفصل خطابات کئے اور بلیک بورڈ کی مدد سے ضروری خاکے بھی سمجھائے۔ ۱۔ حقیقت ایمان ۲ حقیقت نفاق ۳۔ حقیقت جہاد ۴۔ حقیقت شرک بعدہٗ دعوت رجوع الی القرآن اور برصغیر پاک و ہند میں مختلف دینی تحریکوں اور ان کی مساعی کا تفصیلی جائزہ پیش کیا اور مختلف ادوار کو ترتیب سے ساتھ بیان کیا اور نیز امت مسلمہ کی تاریخ اور اس میں مسلمانوں پر جو زوال و عروج کے مراحل گذرے اور ادوار آئے ہیں ان کو بیان کیا اس کے لئے مندرجہ ذیل کتابچوں کا مطالعہ بھی کروایا گیا۔

۱۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام ۲۔ حکمت قرآن کا خصوصی شمارہ جولائی و اگست ۸۴ء ۳۔ سرانگندیم نامی کتاب کا پہلا حصہ ۴۔ اسلام اور پاکستان ۵۔ سلسلہ اشاعت تنظیم اسلامی حصہ اول و دوم پر مشتمل قرارداد تنظیم اسلامی اور شرائط شمولیت۔ یہ نشست رات نو بجے تک رہتی تھی اور نماز عشاء اس کے بعد ادا کی جاتی تھی۔ قیام اللیل کا بھی اہتمام تھا جس میں کافی شرکاء نے حصہ لیا اور ایک بار پورا قرآن مجید نوافل میں سماعت کیا

ان اوقات کار کے ساتھ یہ تربیتی پروگرام دونوں مراحل میں بہت کامیاب رہا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام حضرات جنہوں نے اس میں شرکت کی انکو ان کی اس سعی جمیلہ کا صلہ عطا فرمائے اور ان کو دین کا حقیقی خادم بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

دَورہ کراچی اور حیدر آباد (نومبر ۸۶ء)

نومبر کی آخری سوموار کو "شام الہدیٰ" میں درس کے لئے امیر محترم کراچی تشریف لائے تھے۔ "شام الہدیٰ" کی روداد گزشتہ ماہ کے میثاق میں شائع ہو چکی ہے اس دورے کے موقع پر ۲۷ نومبر ۸۶ کو امیر محترم پاکستان کونسل کے زیر اہتمام خالقدینا ہال میں منعقد ہونے والی محافل کی بعد نماز عشاء ڈیڑھ گھنٹے تک "صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم قرآن مجید کی روشنی میں" کے موضوع پر نہایت مؤثر اور فکر انگیز خطاب ارشاد فرمایا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے ایثار و قربانی کے حالات پر نہایت دل گداز اسلوب بیان سے حاضرین میں سے شاید ہی کوئی آنکھ ہو جو نم نہ ہوئی ہو ــــ اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کرامؓ کی دین حق کیلئے جان نثاری پر ان سے راضی ہونے کے متعلق قرآن حکیم میں جو بشارتیں دی ہیں وہ ان تمام لوگوں کے لئے بڑی امید افزا ہیں جو ان قدوسیوں کے نقش قدم پر چلنے کو اپنی سب سے بڑی سعادت و خوش بختی سمجھتے ہیں اور اسکے لیے کوشش و محنت کرتے ہیں۔ موصوف نے نہایت وضاحت سے فرمایا کہ جب تک جان نثاروں کی جماعت تیار نہ ہو اسلامی انقلاب برپا نہیں ہو سکتا۔ حضرت نوحؑ کی مثال قرآن مجید میں موجود ہے۔ آں جنابؑ نے ساڑھے نو سو سال توحید کی دعوت و تبلیغ پر لگاتے لیکن معاشرہ بالکل مردہ ہو چکا تھا لہٰذا جمعیت فراہم نہ ہو سکی اور معدودے چند افراد کے علاوہ لوگوں نے دعوت ایمان قبول نہیں کی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بچا کر عذاب استیصال کے ذریعہ کافروں کو اپنی سنت کے مطابق نیست و نابود کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ دوسری مثال قرآن مجید نے حضرت موسیٰؑ کی بیان کی ہے۔ آں جنابؑ کے ساتھ ایک بڑی جمعیت تھی لیکن مصر میں آل فرعون کی قریباً تین صدیوں کی غلامی نے ان کو بزدل بنا دیا تھا لہٰذا جب حضرت موسیٰؑ ان کو معجزانہ طور پر مصر سے نکال لائے اور وہ صحرائے سینا میں داخل ہو گئے تو ارض فلسطین کے حصول کیلئے وہاں کے کافر حکمرانوں سے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ و قتال کا حکم آیا تو قوم نے کورا جواب دے دیا اور کہا: فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ۔ "اے موسیٰؑ تم جاؤ اور تمہارا رب جائیے اور قتال کریں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔" نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی انقلاب کا عمل وہیں رک گیا۔ چالیس سال تک ان پر ارض فلسطین حرام کر دی گئی اور وہ اس عرصہ میں صحرا سینا میں بھٹکتے رہے۔ اسی دوران حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون علیٰ نبینا و علیہما السلام کا انتقال ہو گیا۔ چالیس سال میں جو نئی نسل صحرا میں پروان چڑھی اس نے پھر جہاد و قتال کے ذریعہ ارض فلسطین کو فتح کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اس کے مقابلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا یہ عالم تھا کہ بچے، بوڑھے اور جوان سب کے سب اللہ کی راہ میں گردن کٹانے کو اپنے لئے سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ ان کی انہی جاں نثاریوں پر سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ نے انؓ کو اپنے رسولؐ کا معین قرار دیا ہے۔ محمد رسول اللہ والذین معہٗ۔ اور ان صحابہ کرامؓ کی فدایانہ جدوجہد کا یہ نتیجہ نکلا ہجرت سے آں حضورؐ کی وفات تک کل دس سال کے مختصر عرصہ میں جزیرہ نما عرب میں اللہ کا دین بالفعل قائم و نافذ ہو گیا اور فتح مکہ کے موقع پر یہ ایمان افروز منظر چشم فلک نے دیکھا کہ نبی اکرمؐ کعبہ شریف میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بت اپنی چھڑی مبارک سے گراتے جاتے تھے اور آپؐ کی زبان مبارک پر سورہ بنی اسرائیل کی یہ آیت جاری تھی: جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت تک صحابہ کرامؓ کی جماعت نے اس وقت کی معلوم و مہذب دنیا کے نصف کے قریب زمین پر اللہ کے دین کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

امیر محترم نے اسی مختصر قیام کے دوران حکومت کے زیر اہتمام کراچی کے اعداد و شماریات میں بھی سیرت مطہرہ سے حضورؐ کی انقلابی سرگرمیوں کو اختصار لیکن نہایت جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا۔ قریباً سوا گھنٹے کے خطاب میں انقلاب محمدی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ

والسلام کے جملہ مراحل (۱) دعوت و تبلیغ (۲) تنظیم (۳) تربیت (۴) صبر محض (۵) اقدام اور (۶) مسلح تصادم بیان ہو گئے ۔ شرکاء متعلقہ دفتر کے قریباً دو سو افراد شریک تھے۔ امیر محترم کے خطاب کی یہ سحر انگیزی تھی کہ دوران خطاب پنڈال میں ہر شریک کی نگاہیں امیر محترم کی طرف مرتکز تھیں، گوش برآواز تھے اور آنکھیں نم تھیں۔ اسٹیج سیکرٹری صاحب نے خطاب کے اختتام پر اپنے ان تاثرات کا اظہار فرمایا کہ "میں نے سیرت پر بے شمار تقاریر سنی ہیں لیکن اس پہلو سے کہ نبی اکرمؐ کی تمام جدوجہد انقلابی نوعیت کی تھی آج ہی نہایت مدلل اور مؤثر انداز میں ہمارے سامنے آئی ہے۔ آج ہماری آنکھیں کھلی ہیں اور دل مطمئن ہوئے ہیں کہ حضور پر نور خاتم النبیین و سید المرسلین تو تھے ہی۔ دنیا کے عظیم ترین انقلابی قائد و رہنما بھی تھے اور آپؐ نے وہ صالح، ہمہ گیر انقلاب برپا کیا کہ جو جنت ارضی ثابت ہوا۔"

اس مختصر سے قیام میں امیر محترم ایک روز کے لئے حیدر آباد بھی تشریف لے گئے ۲۸ نومبر ۸۴ء کو بعد نماز عشاء حیدر آباد کی کثیر آبادی لطیف آباد میں امیر محترم نے "مسلمانوں کے دینی فرائض" کے موضوع پر نہایت مدلل مؤثر خطاب ارشاد فرمایا۔ ساتھ ہی تنظیم اسلامی کی دعوت سے بھی متعارف کرایا۔ ۲۹ نومبر کی صبح سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ بعدہ بفضلہ تعالیٰ بارہ حضرات نے عہد نامہ فاقت پڑھ کر سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد کی امیر محترم کے ہاتھ پر بیعت کر کے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی ـــــ ان حضرات میں بحمد اللہ دو حضرات علماء کرام کے زمرے اور حلقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ امر تمام وابستگان تنظیم کے لئے یقیناً باعث مسرت و انبساط ہوگا۔

حیدر آباد کے دورے سے فارغ ہو کر امیر محترم عازم لاہور ہوئے تاکہ ۳۰ نومبر ۸۴ء کے مسجد دارالسلام کے خطاب جمعہ کا ناغہ نہ ہو۔

شام الہدیٰ - لاہور

لاہور اور گردونواح کے ماہنامہ "میثاق" کے قارئین سے التماس ہے کہ

وہ نوٹ فرمالیں کہ

یکم مارچ ۸۵ء بروز جمعہ بعد نماز مغرب ان شاء اللہ العزیز

"شام الہدیٰ" کا واپڈا آڈیٹوریم میں انعقاد ہوگا جسمیں

سورۂ حج کے آخری رکوع کا درس ہوگا۔

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :

709, 7TH FLOOR, QAMAR HOUSE,
M.A. JINNAH ROAD, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEFHONE: 870512 880731

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کی مطبوعات میں

ایک اہم اضافہ

★

سانحۂ کربلا

ڈاکٹر اسرار احمد

کی ایک اہم تقریر جس کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا تھا، دوسرا ایڈیشن شائع ہو گیا ہے۔

صفحات — ۴۸

قیمت : ۳ روپے صرف

ملنے کا پتہ

۳۶ — کے ماڈل ٹاؤن لاہور

فون :- ۸۵۲۶۱۱

ایگل

ایک عالمگیر قلم!

ہر جگہ دستیاب ہے

A PRODUCT OF
AZAD FRIENDS & CO. LTD

AFC-8/74 Crescent

نزلہ، زکام اور کھانسی
سے محفوظ رہنے کی آسان تدبیر
مناسب احتیاط برتئے۔ بروقت سُعالین لیجیے
جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ سُعالین کا باقاعدہ اور بروقت استعمال گھر کے ہر فرد کو نزلہ، زکام اور کھانسی سے محفوظ رکھتا ہے۔ ایک دو ٹکیاں روزانہ چوسیے۔
سُعالین کے چار قرص تیز گرم پانی میں گھول لیجیے،
جوشاندہ تیار ہے جو نزلہ، زکام اور کھانسی کے لیے بدرجہا مفید ہے۔
ایسی ایک خوراک صبح و شب پیجیے۔
سُعالین
نزلہ، زکام اور کھانسی
کی مفید دوا
SUALIN
50 TABL
A HERBAL CU
COUGH, CO
AND
BRONCHI
HAMDARD PAK
سُعالین
۵۰ ٹکیاں
SUALIN
A HERBAL CURE FOR COUGH, COLDS
AND BRONCHITIS
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
نزو
ناک کے ورم، سوزش اور بندش کے لیے مفید۔ ایک پھوار ناک کھول دیتی ہے۔
ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان
آوازِ اخلاق
وقت ایسی زمین ہے جس میں محنت کے بغیر کچھ نہیں پیدا ہوتا۔
Adarts SUA-2/84

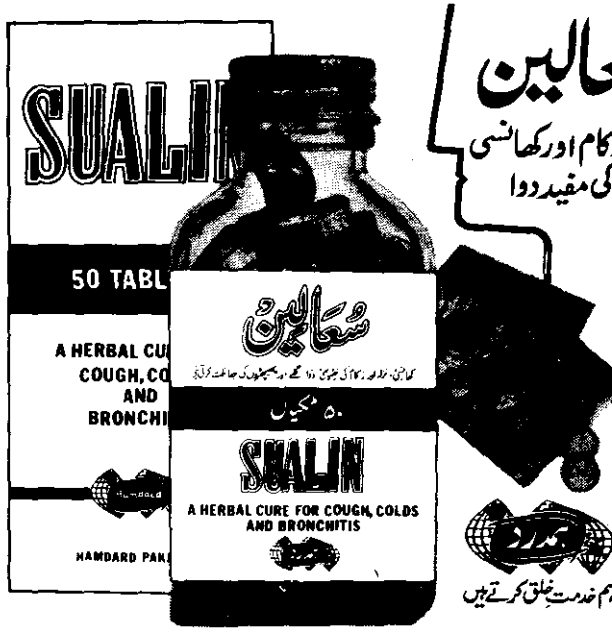

امپورٹ - ایکسپورٹ کا قابلِ فخر ادارہ

رینبو انٹرنیشنل

فون: ۳۰۳۳۵۵ / ۳۰۳۳۷۷

برآمدی اشیاء

آرٹ سلک فیبرکس گارمنٹس ∴ بیڈ شیٹس
کاٹن کلاتھ ∴ کاٹن گارمنٹس ∴ احرام تولیہ ∴ تولیہ
ہینڈی کرافٹس ∴ لکڑی کا فرنیچر۔

درآمدی اشیاء

لاکھ دانہ ∴ سٹکر فلم ∴ سوچ سٹارٹر
ربڑ سٹکس ∴ پولیسٹر ریان۔

مرکزی دفاتر

II فلور غلام رسول بلڈنگ ۶۰ شاہراہ قائدِ اعظم لاہور

ذیلی دفاتر: کراچی - فیصل آباد

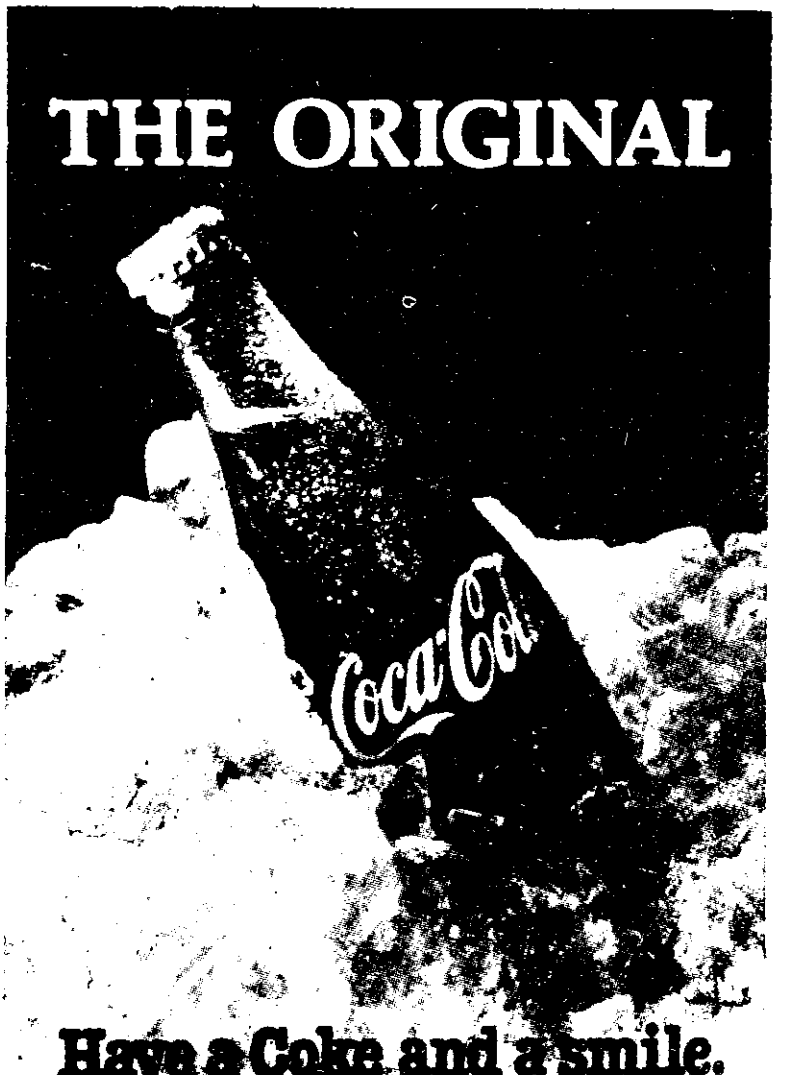

THE ORIGINAL
Coca-Cola
Have a Coke and a smile.

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا
ممتاز ادارہ

ایچ نظام دین اینڈ سنز

مرکزی دفتر

محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں جنگ کی بڑی قوت ہے

اور لوگوں کے لیے بڑے فوائد بھی ہیں۔

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲۔ ایمپرس روڈ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ لِلّٰہِ

ایک اور اعزاز

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے گزشتہ سالوں کی طرح ۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران
بھی ہماری بہترین برآمدی کارکردگی اور وطن عزیز کے لیے کثیر زرمبادلہ کمانے پر فیڈریشن آف
پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی جانب سے ہم ایک بار پھر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی

کے مستحق قرار پائے

یہ ٹرافی جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان نے ایک پروقار تقریب میں اپنے ہاتھوں سے ہمیں عطا فرمائی۔

ہمیں خیمے۔ ترپالیں اور کینوس کی دیگر مصنوعات کے سب
سے بڑے برآمد کنندگان ہونے کا بجا طور پر شرف حاصل ہے۔

SNDS

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ

پاکستان میں کینوس مصنوعات کے سب سے بڑے برآمد کنندگان

ھیڈ آفس: حفیظ چیمبرز ۔ ۸۵ ۔ شاہراہ قائد اعظم، لاہور (پاکستان)
فون: ۳۰۶۴۶۸ - ۳۰۵۴۶۹، تار: شاہی خیمہ ٹیلکس: 44543 NOOR PK
ایکسپورٹ آفس: ۶۱۲-۶۱۴ کامرس سینٹر، چھٹی منزل، حسرت موہانی روڈ۔ کراچی (پاکستان)
فون: ۲۱۳۵۴۰ - ۲۱۴۳۱۶، تار: 'TARPAULIN' ٹیلکس: 25480 NOOR PK

Regd. L. No. 7360

MONTHLY "MEESAQ" LAHORE

Vol. 34 | FEBRUARY 1985 | No. 2

قدرتی گیس کا ضیاع روکیئے

ہمارے توانائی کے وسائل محدود ہیں ہم توانائی کے ضیاع کے متحمل نہیں ہو سکتے

گیس بچا کر
قومی معیشت کو
مستحکم بنائیے

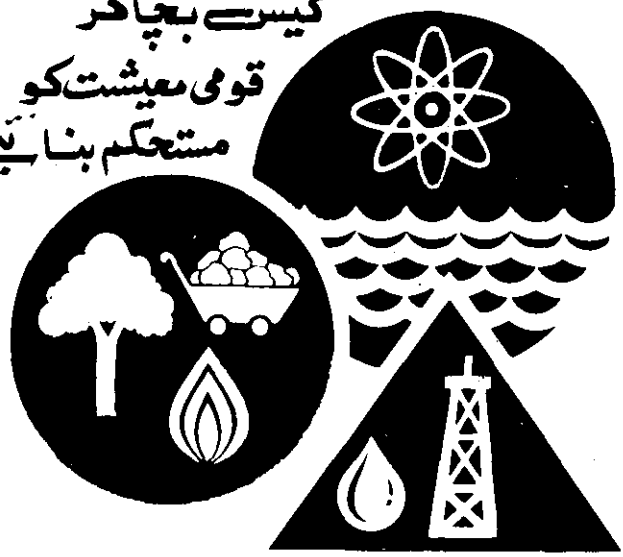

ہمارے ملک میں توانائی کے وسائل کی کمی ہے۔ توانائی کی ضروریات کثیر زرمبادلہ صرف کر کے پوری کی جاتی ہیں۔ ہماری صنعت، تجارت، زراعت کے شعبوں میں توانائی کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی بچائی ہوئی توانائی ان اہم شعبوں کے فروغ میں کام آئے گی۔

قدرتی گیس بہت زیادہ قیمتی ہے
اسے ضایع نہ کیجئے

سوئی ناردرن گیس پائپ لائنز لمیٹڈ

SUI NORTHERN